شوال المکرم ۱۴۳۹ھ
جولائی ۲۰۱۸ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- قرآن حکیم کی دُعائیں
بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- سُورۃُ الفاتحہ: قرآن کے فلسفہ وحکمت کی اساسِ کامل
شجاع الدین شیخ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیرِ اہتمام

داخلے جاری ہیں

جاری کردہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ

رجوع الی القرآن کورسز (پارٹ I اور II)

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں' تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I) برائے مرد وخواتین

1. عربی صرف ونحو
2. ترجمۂ قرآن (مع تفسیری توضیحات)
3. سیرت النبی ﷺ
4. قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی
5. تجوید و ناظرہ
6. مطالعۂ حدیث و فقہ العبادات
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II) صرف مرد حضرات

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان وادب
9. اضافی محاضرات

- انٹرویو کی تاریخ، 23 جولائی (صبح 8:30 بجے)
- کلاسز کا آغاز، 24 جولائی (صبح 8:00 بجے)
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

نوٹ: داخلے کے خواہشمند 23 جولائی تک اپنی رجسٹریشن ضرور کروالیں۔ رجسٹریشن نہ ہونے کی صورت میں لیٹ داخلہ نہیں دیا جائے گا۔

پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

برائے رابطہ **قرآن اکیڈمی**
36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 35869501-3
email:irts@tanzeem.org

ملک شیر افگن
0300-4201617

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

جلد : 67

شمارہ : 7

شوال المکرم 1439ھ

جولائی 2018ء

فی شمارہ -/30

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

- اندرون ملک 300 روپے
- بھارت و بنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون: 3-35869501

فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org

ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

فون: 36366638 - 36316638

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال ______ 5

تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری! — ایوب بیگ مرزا

نشر القرآن ______ 9

قرآن حکیم کی دعائیں — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بیانُ القُرآن ______ 13

سورۃ فاطر (آیات ۱ تا ۲۶) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مطالعۂ قرآن حکیم ______ 27

سورۃ الفاتحہ:

قرآن کے فلسفہ و حکمت کی اساسِ کامل — شجاع الدین شیخ

تذکیر و موعظت ______ 37

ماہِ رمضان کے بعد ہماری زندگی میں تبدیلی آنی چاہیے — ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی

اعجازِ قرآن ______ 43

قرآن حکیم اور ہم عصر اقوام — مولانا عصمت اللہ

دعوتِ فکر ______ 51

رائی بھر ایمان — مسز بینا حسین خالدی

انوارِ ہدایت ______ 59

صدقۂ جاریہ — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

سیرت و سوانح ______ 64

مولانا ابوالکلام آزادؒ: بحیثیت ماہرِ قرآنیات — عبدالرشید عراقی

افکار و آراء ______ 71

موجودہ انتخابی نظام اور اسلامی تعلیمات — ڈاکٹر نجیب الحق

ظروف و احوال ______ 79

عالمی معیشت پر یہودی اجارہ داری — محمد ندیم اعوان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری!

۱۸۹۷ء میں یہودیوں نے Protocols of the Elders of Zion کے عنوان سے ایک دستاویز تیار کی۔ اعلانیہ طور پر وہ اس کے بارے میں جو چاہیں کہیں‘ حقیقی طور پر وہ مستقبل میں عالمی سطح پر یہودیوں کے تسلّط کے لیے out lines تیار کی گئی تھیں۔ یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ بعدازاں بڑی محنت اور جِدّوجُہد سے اسے یعنی عالمی غلبہ حاصل کرنے کے ہدف کو بہت سے اعتبارات سے حاصل کر لیا گیا ہے۔ یہ جدوجہد ابھی جاری ہے کہ اس غلبے کو وسیع اور حتمی کیا جائے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں بلکہ بیسویں صدی کے وسط تک دنیا میں انگریز کا طوطی بولتا تھا‘ اس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اس زمانے میں بھی یہودیت ایک چھپی طاقت تھی جو پس پردہ رہ کر انگریز کی قوت کو کسی قدر اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی تھی۔ علامہ اقبال جیسے مفکّر کا یہ کمال تھا کہ اس نے اس پوشیدہ قوت کو ڈھونڈ نکالا اور یہ کہہ کر حقیقت واضح کر دی کہ ع ’’فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے!‘‘

بہرحال آج اکیسویں صدی میں یہودیوں نے تمام مراحل انتہائی کامیابی سے طے کیے اور وہ آج یہ چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ سپریم پاور آف دی ورلڈ امریکہ کی رگِ جاں ان کے پنجہ میں ہے۔ امریکیوں کا بعض اوقات دم گھٹتا ہے تو وہ پھڑ پھڑاتے اور تلملاتے ہیں‘ لیکن کھلم کھلا اعلانِ بغاوت کی جرأت نہیں کرتے۔ کسی صدارتی امیدوار کے لیے یہ تصور بھی ہولناک ہے کہ وہ اسرائیل کی مخالفت کرے۔ گویا امریکہ کا صدر بننے کے لیے ’’اسرائیل کے تحفظ‘‘ کو اپنی پالیسی کا بنیادی پتھر قرار دینا اور اس کی امریکہ ہی کی طرح حفاظت کرنا شرطِ اوّل ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ بات سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ عالمی طاقت کا مرکز لندن سے واشنگٹن کیسے اور کیوں منتقل ہوا؟ یہودی یہ سمجھتے تھے کہ انگلستان جغرافیائی لحاظ سے چھوٹا ملک ہے‘ اس کی آبادی کم ہے۔ ان shortcomings کے ہوتے ہوئے اس کا عروج حیرت انگیز ہے‘ لیکن اسے سنبھالنا برطانیہ کے لیے ممکن نہ رہے گا‘ وہ زوال پذیر ہوگا اور مستقبل کے چیلنجز کا سامنا نہیں کر سکے گا۔ دوسری طرف برطانیہ بھی اس حیثیت کو کھو دینے کو تیار نہیں تھا۔ لہٰذا یہودیوں نے

اپنے ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لیے یورپ کو جنگوں میں دھکیل دیا۔ کون نہیں جانتا کہ جنگ عظیم اوّل اور دوم میں دونوں طرف یہودی پشت پر تھے۔ قصہ کوتاہ‘ دوسری جنگ عظیم برطانیہ جیت کر بھی ہار گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اب اپنی عظیم سلطنت کو سمیٹ کر صرف انگلستان کی حدود میں لانا پڑے گا‘ وگرنہ خود اس کی سلامتی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ یہودی سمجھتا تھا کہ اپنے اہداف کے حصول کے لیے اسے بڑے اور مضبوط کندھوں کی ضرورت ہے‘ لہٰذا وہ امریکہ میں سرمایہ کاری کر رہا تھا۔ اس نے امریکہ کی جنگی صنعت میں بے پناہ سرمایہ لگایا‘ وہاں کے میڈیا کو خریدا۔ ظاہر ہے یہ سرمایہ کاری عام امریکیوں کو بھی فائدہ پہنچا رہی تھی۔ یاد رہے کہ یورپ میں صنعتی انقلاب کے ساتھ ہی وہاں سرمایہ دارانہ نظام نے اپنی جڑیں پُختہ کر لی تھیں۔ یہ نظام بھی یہودیوں کا برین چائلڈ تھا‘ اس نظام سے سرمایہ داروں کو مکمل تحفظ حاصل ہو چکا تھا۔ ردِّعمل میں ۱۹۱۷ء میں روس کا بالشویک انقلاب درحقیقت کمیونزم کی نظریاتی بنیادوں پر اٹھایا گیا تھا اور سرمایہ دارانہ نظام کے مدمقابل آ کھڑا ہوا تھا۔ اس نظریہ نے بہت جلد مشرقی یورپ کو اپنی گرفت میں لے لیا‘ لہٰذا سوویت یونین کے علاوہ مختلف کمیونسٹ ریاستیں وجود میں آ گئیں۔

جنگ عظیم دوم کے بعد دو سپر قوتیں ابھر کر دنیا کے سامنے آئیں۔ ایک سوویت یونین جو کمیونسٹ ممالک کو لیڈ کر رہا تھا‘ اور دوسرا ریاست ہائے متحدہ امریکہ جو سرمایہ دارانہ نظام کے حامل ممالک کی سربراہی حاصل کر چکا تھا۔ امریکیوں میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ دنیا کی واحد سپر پاور یعنی سپریم پاور آف دی ورلڈ بن جائیں۔ یہودیوں نے ان کی اس خواہش کو مہمیز لگائی‘ کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام ان کے ایجنڈے کو آگے بڑھانے میں بڑا ممد ومعاون ثابت ہو رہا تھا‘ لہٰذا ہر اُس ریاست کو ٹھکانے لگانا طے ہوا جو سرمایہ دارانہ نظام کی حامل یا حمایتی نہ ہو۔ سوویت یونین ان کی ہٹ لسٹ پر سب سے اوپر تھا‘ لہٰذا اُس کے خلاف سازشیں شروع ہوئیں۔ جب سوویت یونین نے افغانستان پر حملہ کرنے کی حماقت کا ارتکاب کیا تو امریکہ کو سنہری موقع ہاتھ لگا۔ اُس نے عالمِ اسلام میں جہاد کے غلغلہ سے تہلکہ مچا دیا اور دنیا کے کونے کونے سے مجاہدین کو افغانستان میں جمع کیا۔ انہیں وسائل‘ اسلحہ اور ٹیکنالوجی دی۔ چنانچہ کسی ایک امریکی فوجی کی نکسیر بھی نہ پھوٹی اور سوویت یونین شکست وریخت سے دوچار ہو گیا۔ امریکہ نے اپنی عالمی شہنشاہیت کا اعلان کر دیا۔

امت مسلمہ جو انیسویں صدی سے حالتِ نزع میں تھی‘ ۱۹۲۴ء میں خلافت کے خاتمہ کے اعلان سے اس کا وجود ختم ہو گیا۔ اب مسلمان قومی ریاستیں تھیں جو دنیا کے مختلف حصوں میں غیروں کے کنٹرول یا زیر اثر تھیں‘ لیکن یہودی یہ جانتا تھا کہ اسلام ایک مضبوط نظریہ اور ایک مکمل نظامِ

حیات ہے۔ اس مردہ میں نظریہ کی پھونک یعنی کسی اسلامی ریاست کا وجود میں آ جانا یہودیوں اور سرمایہ دارانہ نظام کے لیے مہلک ثابت ہوسکتا ہے۔ سوویت فوج کا افغانستان سے انخلا ہوا تو وہاں افراتفری پیدا ہوگئی اور خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ افغان عوام وار لارڈز کے ظلم وتشدد کا شکار ہوئے‘ ملک میں انارکی پھیل گئی۔ امریکہ افغانستان کو اس حالت میں چھوڑ کر خطے سے نکل گیا۔ اس کا اپنا ایجنڈا تھا اور افغانستان کی یہ صورت حال امریکہ کے عزائم کی تکمیل کے لیے مفید تھی۔ فارسی کا محاورہ ہے ’’تدبیر کند بندہ‘ تقدیر زند خندہ‘‘ (بندہ تدبیر کرتا ہے‘ پلاننگ کرتا ہے‘ اور تقدیر اس پر ہنس رہی ہوتی ہے)۔ افغانستان میں پھیلی انارکی نے ایک بندۂ خدا جو دینی مدرسہ میں تدریسی فرائض ادا کر رہا تھا اسے جھنجھوڑ دیا۔ اس مدرس کا اسم گرامی مُلّا عمر تھا۔ وہ اس خانہ جنگی کو ختم کرنے کے لیے شمشیر بکف ہوکر میدان میں نکلا اور آناً فاناً شمالی افغانستان کے کچھ حصے کو چھوڑ کر سارے افغانستان پر قابض ہوگیا اور ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ دی —— افغانیوں کی عظیم اکثریت نے صدقِ دل سے ملا عمر کی حکومت کو قبول کیا۔ پوست کی کاشت جس سے ہیروئن جیسی غلیظ نشہ آور شے بنتی تھی یہ افغانیوں کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ ملا عمر کے ایک حکم سے اس کا خاتمہ ہوگیا۔ وہ اسلحہ جسے افغانی روٹی پر ترجیح دیتا ہے وہ حکومت کو جمع کرا دیا گیا۔ جرائم اور باہمی قتل و غارت نہ ہونے کے برابر ہوگئے۔ یقیناً یہ ایسی تبدیلی تھی جس پر مستقبل کا مؤرخ حیرت میں ڈوب کر لکھے گا۔ بہرحال یہودیوں کا خدشہ درست ثابت ہوا۔ نظریہ کی پھونک نے افغان قوم میں انقلاب برپا کر دیا۔ اس انقلاب کو پسرِ اقبال ڈاکٹر جاوید اقبال‘ جو سیکولر ذہن کے مالک تھے‘ نے نہ صرف تسلیم کیا بلکہ یہ تک کہہ دیا کہ اگر ایسا انقلاب چند اور ممالک میں آ گیا تو ساری دنیا مسلمان ہو جائے گی۔

یہودیوں کو بھی خطرے کا مکمل ادراک ہو چکا تھا‘ لہٰذا گریٹ گیم کا آغاز ہوا۔ نائن الیون کا ڈرامہ رچایا گیا۔ امریکہ افغانستان پر حملہ آور ہوا۔ اسلامی حکومت کو ختم کر دیا گیا اور افغانستان میں کٹھ پتلی حکومت قائم کر دی گئی۔ ہمارے لیے صدمے کا باعث یہ بنا کہ مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اُس وقت کے حکمرانوں نے افغانستان کی اسلامی حکومت کے خاتمے میں کلیدی رول ادا کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! فتح کا جشن منایا گیا۔ لیکن یہ خوشی دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ آنے والے حالات نے ثابت کیا کہ افغانیوں کو جنگ میں شکست نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک لڑائی میں انہوں نے حکمت عملی (strategy) کے طور پر پسپائی اختیار کی تھی۔ انہوں نے اپنی طاقت کو دوبارہ مجتمع کیا اور غیر ملکی قابض فوجوں کے خلاف گوریلا جنگ شروع کر دی۔ گزشتہ سترہ سال میں سپریم پاور آف دی ورلڈ کو نہ صرف آگے بڑھنے سے روک دیا‘ بلکہ ایک دنیا گواہ ہے کہ افغانستان

کے بہت سے حصے پر انہیں کنٹرول حاصل ہو چکا ہے اور بہت سا حصہ اُن کے زیر اثر ہے۔ ان سترہ سالوں میں امریکہ نے ۴۳ دوسرے ممالک کے تعاون سے افغان طالبان کے خلاف ہر حربہ آزما لیا ہے‘ لیکن اُسے ہر سطح پر ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ اب امریکہ کے علاوہ باقی ممالک تو مایوس ہو کر اپنی افواج کو افغانستان سے واپس بلا چکے ہیں‘ لیکن سپریم پاور آف دی ورلڈ کے لیے ناک کا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ اس نے خود کو افغانستان میں قائم کردہ اپنے فوجی اڈوں میں مقید کر لیا ہے۔ اس کے فوجی اب کھلے میدان میں افغان حریت پسندوں کا مقابلہ نہیں کرتے‘ بلکہ جہاں اور جب ضرورت محسوس کرتے ہیں فضائی حملوں سے کام چلاتے ہیں۔

اب امریکہ میدانِ جنگ سے مایوس ہوکر سازشوں کا جال بچھا رہا ہے اور دنیا بھر میں اپنے ایجنٹوں اور تنخواہ دار دانشوروں کے ذریعے جہاد کے حوالے سے گمراہ کن خیالات پھیلا رہا ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ اسلام میں جہاد کے فریضہ کو متنازع بنا دے۔ بدقسمتی سے مسلمان ممالک کی اکثریت خصوصاً حکمران اس کے ہمنوا بن چکے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے مذہبی اور مسلکی اختلافات سے فائدہ اُٹھا کر یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ افغان طالبان جہاد نہیں کر رہے بلکہ انتشار اور فساد پھیلا رہے ہیں۔ امریکہ بہت وسیع پیمانے پر مسلمان ممالک میں علماء اور مذہبی دانشوروں کی ایسی کانفرنسز شروع کروا چکا ہے جن میں جہاد کے حوالے سے ایسی گفتگوئیں ہوں گی جس سے اس کے موقف کو تقویت پہنچے‘ لیکن افغان طالبان بھی ہر محاذ پر اُس کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے دنیا بھر کے علماء‘ دانشوروں‘ مدارس کی انتظامیہ اور اسلامی جماعتوں کے نام ایک خط لکھ کر انہیں الرٹ کیا ہے کہ وہ امریکہ کی ان کوششوں کو ناکام بنانے کے لیے ایسی کانفرنسوں کا بائیکاٹ کریں۔ (یہ خط ندائے خلافت میں شائع کر دیا گیا ہے۔) انہوں نے علماء سے درخواست کی ہے کہ اگر آپ اس کانفرنس میں اس نیت سے شرکت کریں گے کہ ہم حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیں گے تو امریکہ میڈیا پر حق کی بنیاد پر کہی ہوئی باتوں کو دبا دے گا اور میڈیا پر تاثر یہ دیا جائے گا کہ متفقہ طور پر شرکاء نے جہاد اور خصوصاً افغانستان میں ہونے والے جہاد کو غیر شرعی اور غیر اسلامی قرار دیا ہے۔ انڈونیشیا اور کابل میں یہ کانفرنسز منعقد ہوئی ہیں‘ وہاں بہت سے علماء نے کلمہ حق کہا لیکن یہ بات کانفرنس روم سے باہر نہیں نکالی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ افغان طالبان امریکہ اور یہودیوں کی اس خواہش کہ وہ گلوبل تسلط حاصل کر لیں‘ کی مزاحمت کر رہے ہیں اور وہ کسی حد تک ان کے راستے کی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ اہل پاکستان کو اس حقیقت کا ادراک ہونا چاہیے کہ افغان طالبان نے نہ صرف افغانستان میں

(باقی صفحہ ۹۷ پر)

قرآن حکیم کی دعائیں

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

قرآن حکیم کی رو سے انسان کی غایتِ تخلیق ہے ’عبادتِ رب‘ بفحوائے الفاظِ قرآنی: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝۵۶﴾ (الذّٰریٰت) یعنی ’’میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں!‘‘ —— یہ ’عبادتِ رب‘ قرآن حکیم کی ایک نہایت جامع اور ہمہ گیر اصطلاح ہے جس کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ اس وقت نہ ممکن ہے نہ مطلوب۔ البتہ اس کے اصل جوہر اور لُبِّ لُباب کی جانب رہنمائی فرما دی ہے صاحبِ جوامع الکلم ﷺ نے اپنے ان حد درجہ مختصر لیکن غایت درجہ جامع فرمودات مبارکہ میں کہ: ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ)) —— اور —— ((اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ)) یعنی ’’دعا ہی عبادت کا جوہر اور مغز ہے‘‘ —— بلکہ ’’دعا ہی اصل عبادت ہے۔‘‘

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں بکثرت دعائیں وارد ہوئی ہیں۔ کہیں انشائیہ اسلوب میں یعنی نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کی وساطت سے جملہ اہلِ ایمان کو تلقین کے پیرائے میں کہ یوں کہو‘ یا یوں دعا مانگو‘ جیسے: ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ یعنی ’’کہو کہ اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما‘‘۔ کہیں خبریہ انداز میں —— یعنی سابقہ انبیاء و رسل اور صلحاء و ابرار کی دعاؤں کے نقل کرنے کی صورت میں‘ یا عمومی طور پر اپنے محبوب اور نیکوکار بندوں کے دلی احساسات و جذبات کی ترجمانی کے انداز میں —— مقدم الذکر دعاؤں کی نہایت درخشاں مثالیں ہیں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی نہایت جامع دعا کہ:

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ (البقرة:۱۲۸)

’’اے ربّ ہمارے! ہم دونوں کو بھی اپنا تابع فرمان بنائے رکھ اور ہماری نسل میں سے بھی اپنی ایک فرماں بردار امت برپا کیجیو!‘‘

یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ دعا جو انتہائی کسمپرسی اور بے چارگی کے عالم میں ان کے قلب کی

گہرائیوں سے اس وقت نکلی جب وہ مصر سے جان بچا کر بھاگے اور سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے مدین پہنچے جہاں کوئی یار و مددگار تو کیا ہوتا‘ جاننے اور پہچاننے والا بھی نہ تھا۔ اس عالم میں انہوں نے دعا کی کہ:

﴿رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ۝۲۴﴾ (القصص)

’’اے میرے رب! میں سراپا محتاج ہوں ہر اس خیر کا جو تو میری جھول میں ڈال دے۔‘‘

مؤخر الذکر دعاؤں کی نہایت درخشاں مثالیں سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں ملتی ہیں‘ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں یعنی ’عباد الرحمٰن‘ کے دلی احساسات و جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝۷۴﴾ (الفرقان)

’’اے رب ہمارے! ہمیں عطا فرما ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا ہمیں خدا ترس لوگوں کا پیش رو۔‘‘

مزید برآں خبریہ اسلوب ہی میں قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں وہ دعائیں بھی جو عالمِ آخرت کے مختلف مراحل و مواقع یعنی میدانِ حشر‘ پل صراط اور جنت و دوزخ میں مانگیں گے‘ اہلِ حق و ہدایت یا اہلِ زیغ و ضلال!

قرآن حکیم کی دعاؤں میں جامع ترین اور ہر اعتبار سے کامل و اکمل دعا ہے سورۃ الفاتحہ جس میں مکمل ترجمانی ہے فطرتِ انسانی کی —— اور جس کے ضمن میں ادعیۂ قرآنیہ کا ایک دوسرا نادر اسلوب سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ اس کے آغاز میں نہ انشائیہ انداز ہے نہ خبریہ یعنی نہ فعل امر ’قُلْ‘ —— یا —— ’قُوْلُوْا‘ وارد ہوا ہے نہ فعل ماضی یا مضارع ’قَالُوْا‘ یا ’يَقُوْلُوْنَ‘ —— گویا اسلوبِ بیان یہ اختیار کیا گیا کہ یہ ہے وہ صدا یا دعا جو ایک سلیم الفطرت اور سلیم العقل انسان کے قلب کی گہرائیوں سے از خود نکلتی ہے یا نکلنی چاہیے۔

اسی اسلوب کی دوسری نہایت اعلیٰ مثالیں ہیں وہ دعائیں جو ’’الزَّهْرَاوَيْن‘‘ یعنی سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران‘ دونوں کے آخر میں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ کی آخری آیت کا آغاز تو ہوتا ہے نہایت شاہانہ انداز میں ان قوانین الٰہیہ کے بیان سے کہ: ﴿لَا يُكَلِّفُ

اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا ؕ﴾ ’’اللہ نہیں مکلّف ٹھہراتا کسی کو مگر اس کی وسعت کے مطابق‘‘۔﴿لَہَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْہَا مَا اکْتَسَبَتْ ؕ﴾ ’’اُس کو ملے گا جو اس نے کمایا ہوگا اور اُسی پر پڑے گی جو برائی اُس نے کی ہوگی!‘‘- اور اس کے بعد بغیر کسی انشائیہ یا خبریہ تمہید کے دعا شروع ہو جاتی ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَاۤ ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۸۶﴾﴾

’’اے رب ہمارے! نہ گرفت فرما ہماری اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں۔ اے ربّ ہمارے! مت عائد فرما ہم پر ایسی ذمہ داریاں جیسی کہ تو نے عائد کیں ہم سے پہلے والوں پر‘ اور نہ ڈال ہم پر وہ جس کی ہم طاقت نہ رکھتے ہوں‘ اور درگزر فرما ہم سے‘ اور بخشش فرما ہماری‘ اور رحم فرما ہم پر‘ اور مدد فرما ہماری کافروں کے مقابلے میں۔‘‘

بالکل یہی اسلوب سورۂ آل عمران کے آخری رکوع میں ہے کہ: ﴿اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾ کے فوراً بعد بغیر کسی فعل ’قَالُوْا‘ یا ’یَقُوْلُوْنَ‘ کے آغاز ہو جاتا ہے اس عظیم دعا کا جو ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ﴾ سے شروع ہوتی ہے —— اور —— ﴿اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾﴾ پر ختم ہوتی ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۰ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے ایک اہم واقعہ کے ضمن میں حضرت طالوت کے اہل ایمان ساتھیوں کی وہ دعا نقل ہوئی ہے جو انہوں نے اس وقت مانگی تھی جب اُن کا سامنا جالوت اور اس کے لشکر سے ہوا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۵۰﴾﴾

’’جب وہ سامنے ہوئے جالوت اور اس کی فوجوں کے تو انہوں نے کہا: اے رب ہمارے! انڈیل دے ہم پر صبر اور جما دے ہمارے قدم اور مدد فرما ہماری کافروں کے مقابلے میں!‘‘

بادنیٰ تامل واضح ہو جاتا ہے کہ اس دعا میں ایک عکس کامل موجود ہے یا بالفاظِ دیگر یہ مکمل خلاصہ ہے اس مفصل اور عظیم دعا کا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور جس پر سورۃ البقرۃ ختم ہوتی ہے۔ اور ذرا غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس مناسبت ومشابہت کا سبب کیا ہے۔ تاریخ بنی اسرائیل میں معرکۂ طالوت و جالوت کو وہی مقام اور اہمیت حاصل ہے جو اُمتِ محمد علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ میں غزوۂ بدر کو حاصل ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل کے دورِ عروج یا عہد زریں یعنی ملکِ داؤد و سلیمان علیہما السلام کا آغاز ہوا معرکہ طالوت و جالوت سے‘ اسی طرح اسلام کا وہ دورِ غلبہ و عروج شروع ہوا غزوۂ بدر سے‘ جس کا نقطۂ کمال یعنی climax ہے خلافتِ حضراتِ صدیق اکبر و فاروق اعظم و عثمان غنی رضی اللہ عنہم —— اب اگر یہ بات پیش نظر رہے کہ سورۃ البقرۃ کا زمانۂ نزول ہے ہجرت کے متصلاً بعد سے لے کر غزوۂ بدر سے متصلاً قبل تک تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھیوں کو ماضی کی تاریخ کے اس ورق کے ذریعے دراصل دکھایا جا رہا ہے آنے والے حالات وواقعات کا ایک واضح عکس‘ کہ جس طرح سامنا کرنا پڑا تھا حضرت طالوت کے مُٹھی بھر بے سروسامان اہل ایمان ساتھیوں کو جالوت کے غرقِ آہن لشکروں کا‘ اسی طرح تمہارا مقابلہ ہونے والا ہے کُل تین سو تیرہ کی تعداد اور نہایت بے سروسامانی کی حالت میں قریش کے ایک ہزار کیل کانٹے سے لیس غرقِ آہن سورماؤں سے —— اور جس طرح صبر وثبات کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح دی تھی ان کے دشمنوں پر اسی طرح اگر تم بھی صبر کا دامن تھامے رکھو اور اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید پر بھروسہ رکھو تو وہ (اللہ) تمہیں بھی فتح عطا فرمائے گا تمہارے دشمنوں پر۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۰ میں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو وہ دعا بھی سنا دی گئی جو حضرت طالوت کے ساتھیوں نے مانگی تھی اور پھر آیت ۲۸۶ میں وہ مفصّل دعا بھی تلقین فرما دی گئی جو اب نکلنی چاہیے اہل ایمان کے قلوب کی گہرائیوں سے —— اور اسی پر ختم فرما دیا اس سورۂ مبارکہ کو ——!!

واضح رہے کہ دعا کی اصل روح ہے اللہ کے سمیع وبصیر اور عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہونے کا یقین کامل — اور اسی کی نصرت وتائید اور اور توفیق وتیسیر پر کامل توکّل واعتماد —— اور یہی دونوں چیزیں ہیں جو ہمیں ان دونوں دعاؤں کے ایک ایک حرف میں رچی بسی نظر آتی ہیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○○

دورۂ ترجمۂ قرآن
ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ فَاطِر

آیات ۱ تا ۷

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیۡۤ اَجۡنِحَۃٍ
مَّثۡنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ
قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾ مَا یَفۡتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَۃٍ فَلَا مُمۡسِکَ لَہَا ۚ وَمَا یُمۡسِکۡ ۙ فَلَا
مُرۡسِلَ لَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲﴾ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ
عَلَیۡکُمۡ ؕ ہَلۡ مِنۡ خَالِقٍ غَیۡرُ اللّٰہِ یَرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا
ہُوَ ۫ۖ فَاَنّٰی تُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۳﴾ وَاِنۡ یُّکَذِّبُوۡکَ فَقَدۡ کُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِکَ ؕ وَاِلَی
اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۴﴾ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الۡحَیٰوۃُ
الدُّنۡیَا ٝ وَلَا یَغُرَّنَّکُمۡ بِاللّٰہِ الۡغَرُوۡرُ ﴿۵﴾ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لَکُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡہُ
عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدۡعُوۡا حِزۡبَہٗ لِیَکُوۡنُوۡا مِنۡ اَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ ؕ﴿۶﴾ اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَہُمۡ
عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ۬ؕ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّاَجۡرٌ کَبِیۡرٌ ﴿۷﴾

آیت ۱ ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ ’’کل حمد اور کل شکر اللہ کے لیے ہے جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا‘‘

فَاطِر کے لغوی معنی ہیں: عدم کے پردے کو چاک کر کے کسی چیز کو وجود بخشنے والا۔ یہاں پر ایک اہم لغوی نکتہ ضمنی طور پر نوٹ کر لیں کہ ’’ف‘‘ سے شروع ہونے والے عربی کے اکثر الفاظ میں توڑنے‘ چاک کرنے‘ پھاڑنے وغیرہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ مثلاً فَطَرَ کے علاوہ فَلَقَ‘

فَرَطَ‘ فَلَحَ‘ فَتَحَ‘ فَصَلَ‘ فَتَرَ وغیرہ الفاظ میں یہی مفہوم پایا جاتا ہے۔ (فترۃ الوحی سے وہ عرصہ مراد ہے جس میں وحی رکی رہی‘ یعنی وحی کا تسلسل ٹوٹ گیا اور فترۃ من الرسل سے مراد چھ سو برس کا وہ زمانہ ہے جس کے دوران پیغمبروں کا سلسلہ رکا رہا۔)

﴿جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیۡۤ اَجۡنِحَۃٍ مَّثۡنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ﴾ ’’فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا‘ جو دو دو‘ تین تین اور چار چار پَروں والے ہیں۔‘‘

فرشتوں کے پَروں کی ہیئت اور کیفیت کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن تمثیل کے انداز میں سمجھنے کے لیے مختلف اقسام کے طیاروں کا تصور ذہن میں رکھا جا سکتا ہے‘ جیسے کسی طیارے میں دو انجن ہوتے ہیں اور کسی میں چار۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مختلف فرشتوں کو اپنی مشیت اور حکمت کے مطابق مختلف نوعیت کی صلاحیتوں سے نواز رکھا ہے۔

﴿یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾﴾ ’’اللہ اضافہ کرتا رہتا ہے تخلیق میں جو چاہتا ہے۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

آج سائنس بھی ہمیں یہی بتاتی ہے کہ تخلیق کا سلسلہ جاری و ساری ہے‘ مسلسل نئے نئے ستارے وجود میں آ رہے ہیں اور نئی نئی کہکشائیں بن رہی ہیں۔ اقبال نے اس نکتے کو یوں بیان کیا ہے:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کُن فیکُون

آیت ۲ ﴿مَا یَفۡتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَۃٍ فَلَا مُمۡسِکَ لَہَا ۚ﴾ ’’جو رحمت (کا دروازہ) بھی اللہ لوگوں کے لیے کھول دے تو اُسے بند کرنے والا کوئی نہیں۔‘‘

یہاں ’’رحمت‘‘ سے مراد نبوت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت کے لیے وحی کا جو سلسلہ شروع کیا ہے وہ اللہ کی رحمت کا بہت بڑا مظہر ہے۔ اسی لیے سورۃ الانبیاء میں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر‘‘۔ بنی نوع انسان کو چونکہ ایک بہت بڑے امتحان سے سابقہ ہے‘ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی آسانی کے لیے نبوت کا دروازہ کھول دیا ہے اور اپنے رسول کی شخصیت اور سیرت کو ان کے سامنے رکھ دیا ہے‘ جو بذاتِ خود اللہ کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی ہے‘ تاکہ لوگ احکامِ وحی

سے راہنمائی حاصل کریں اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی پیروی کر کے اس امتحان میں سرخرو ہونے کی کوشش کریں۔ بہرحال یہاں پر اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کی حکمت‘ مشیت اور اختیار کا ذکر اس طرح فرمایا گیا کہ انسانیت کی راہنمائی کے لیے اس نے نبوت کی صورت میں اپنی رحمت کا جو دروازہ کھولا ہے اسے کوئی بند نہیں کر سکتا۔

﴿وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ﴾ ’’اور جسے وہ روک لے تو پھر اسے کوئی جاری کرنے والا نہیں ہے اس کے بعد۔‘‘

جب اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مشیت سے نبوت کا دروازہ بند فرما دے گا تو پھر اسے کوئی کھول نہیں سکے گا۔ چنانچہ محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے‘ اس لیے اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ البتہ مختلف ادوار میں نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کی صورت میں دجالوں کا ظہور ہوتا رہے گا۔

﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲﴾ ’’اور یقیناً وہ زبردست ہے‘ کمال حکمت والا ہے۔‘‘

آیت ۳ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ﴾ ’’اے لوگو! اللہ کی اُس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہوئی ہے۔‘‘

اللہ کے جو احسانات تم پر ہوئے ہیں انہیں یاد کرو اور ان کی قدر کرو!

﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ’’کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں رزق بہم پہنچاتا ہو آسمان سے اور زمین سے؟‘‘

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝۳﴾ ’’نہیں ہے کوئی معبود سوائے اُس کے‘ تو تم کہاں سے اُلٹے پھرائے جا رہے ہو!‘‘

آیت ۴ ﴿وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوںؑ کو جھٹلایا گیا ہے۔‘‘

﴿وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴﴾ ’’اور (بالآخر) تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔‘‘

آیت ۵ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ﻭﻗﻔﺔ﴾ ’’اے لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے‘ تو دیکھو دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔‘‘

﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝۵﴾ ’’اور نہ ہی تمہیں دھوکے میں ڈالے اللہ کے بارے میں وہ بڑا دھوکے باز۔‘‘

اس سے پہلے ہم یہی الفاظ سورۂ لقمان کی آیت ۳۳ میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ لفظ ’’غرور‘‘ اگر ’’غ‘‘ کی پیش کے ساتھ ہو تو مصدر ہے‘ اور اگر ’’غ‘‘ کی زبر کے ساتھ (فَعول کے وزن پر) ہو تو یہ مبالغے کا صیغہ ہوگا۔ چنانچہ ’’اَلْغَرُوْر‘‘ کے معنی ہیں بہت بڑا دھوکے باز‘ یعنی ابلیس لعین جو اکثر لوگوں کو اللہ کے بارے میں اس طرح بھی ورغلاتا ہے کہ اللہ بڑا رحیم‘ کریم‘ شفیق اور مغفرت کرنے والا ہے۔ تمہیں کاہے کی فکر ہے؟ تم نے کون سے ایسے بڑے گناہ کیے ہیں۔ اور یہ سودی کاروبار! اس کا کیا ہے؟ یہ تو سب کرتے ہیں۔ اور وہ فلاں غلط کام اگر تم سے ہو گیا ہے تو کیا ہوا؟ اللہ غفورٌ رحیم ہے‘ وہ تو بڑے بڑے گناہگاروں کو بخش دیتا ہے‘ چنانچہ پریشانی کی کوئی بات نہیں‘ تم جو کچھ کر رہے ہو کرتے جاؤ اور جس راستے پر چل رہے ہو چلتے جاؤ!

اللہ کی شانِ کریمی اور صفتِ غفاری کے نام پر انسان کو دھوکے میں ڈالنے کا یہ ایک ابلیسی حربہ ہے جس سے یہاں خبردار کیا گیا ہے کہ دیکھو! یہ ابلیس بہت بڑا دھوکے باز ہے‘ یہ کہیں تمہیں اللہ کی رحمت کے حوالے سے ہی دھوکے میں نہ ڈال دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے بہلاوے میں آ کر تم دنیوی زندگی کی رنگینیوں میں گم ہو کر اللہ کو بھول جاؤ اور اس طرح تمہاری یہ زندگی تمہارے لیے ایک بہت بڑا دھوکہ بن جائے۔ اور دیکھو! دُنیوی زندگی کے بارے میں یہ حقیقت کبھی تمہاری نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے: ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۱۸۵﴾ (آل عمران) ’’اور دنیا کی زندگی تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ صرف دھوکے کا سامان ہے۔‘‘

آیت ۶ ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ﴾ ’’یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے‘ چنانچہ تم بھی اس کو دشمن ہی سمجھو!‘‘

﴿اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۶﴾ ’’یہ تو بلاتا ہے اپنے ہی گروہ کے لوگوں کو تاکہ وہ جہنم والوں میں سے ہو جائیں۔‘‘

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایسا انسان جس کی نیت درست نہیں اور اس کے اندر شیطانی

رجحانات بالقوّہ (potentially) موجود ہیں وہ شیطان کا آسان شکار ہے۔ چنانچہ شیطان ہر ایسے انسان کی طرف خصوصی طور پر دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑنے کے بعد اسے راستے میں نہیں چھوڑتا‘ بلکہ اس کی منزل (جہنم) تک پہنچا کر دم لیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ ’’برے‘‘ کو اس کے گھر تک پہنچا کر چھوڑتا ہے۔ اس حوالے سے سورۃ الاعراف کے ۲۲ویں رکوع میں بلعم بن باعوراء کا واقعہ بڑا عبرت انگیز ہے۔ وہ اللہ کے نیک بندوں میں سے تھا۔ صرف عابد و زاہد نہیں‘ عالم بھی تھا۔ لیکن جب وہ غلطی کا ارتکاب کر کے اللہ کی اطاعت سے نکل بھاگا تو شیطان نے اس کا پیچھا کیا اور اسے دھکے دیتا ہوا گمراہی اور بے حیائی میں آگے سے آگے بڑھاتا چلا گیا: ﴿فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝﴾ (الاعراف) ’’پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا تو وہ ہو گیا گمراہوں میں سے‘‘۔ گویا جن لوگوں کے دلوں میں کھوٹ اور ارادوں میں فتور ہو‘ شیطان انہیں چن چن کر ڈھونڈتا ہے‘ انہیں اپنی طرف بلاتا ہے اور اپنے گروہ (حزب الشیطان) میں شامل کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اولیاء الرحمٰن اور عباد الرحمٰن کے زمرے میں آتے ہیں ان پر شیطان کا بس نہیں چلتا۔

اس حوالے سے یہ بات بھی نوٹ کر لیجیے کہ جس طرح بعض لوگوں میں حزب الشیطان سے موافقت کا رُجحان (potential) پہلے سے موجود ہوتا ہے اسی طرح کچھ لوگ بالقوہ (potentially) حزب اللہ والے بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً حضرت عمر اور حضرت حمزہ ؓ میں شروع ہی سے حزب اللہ میں شامل ہونے کی صلاحیت موجود تھی۔ چنانچہ اگرچہ ان کے فیصلے میں کچھ تاخیر ہوئی‘ قبولِ اسلام میں چھ سال لگ گئے‘ لیکن بالآخر وہ صلاحیت ظاہر ہو گئی —— ’’حزب اللہ‘‘ اور ’’حزب الشیطان‘‘ قرآنی اصطلاحات ہیں‘ ان کی وضاحت سورۃ المجادلہ کی آخری آیات میں آئی ہے۔

آیت ۷ ﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ﴾ ’’وہ لوگ جو کفر کی روش اختیار کریں گے ان کے لیے بہت سخت عذاب ہے۔‘‘

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝﴾ ’’اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں‘ ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔‘‘

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ !

آیات ۸ تا ۱۴

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ
مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا
يَصْنَعُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ
فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ
فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ
وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝
وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ
اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ
كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ
سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ
حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ۝ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا
دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا
يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝

آیت ۸ ﴿اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ﴾ ’’تو کیا وہ شخص جس کے لیے مزیّن کر دی گئی ہو اُس کے عمل کی برائی اور وہ اسے اچھا سمجھ رہا ہو (ہدایت پا سکتا ہے)!‘‘

آج من حیث القوم ہمارا بھی یہی معاملہ ہے۔ آج ہم فحاشی اور بے حیائی کو کلچر اور ثقافت کے خوبصورت ناموں کے ساتھ نہ صرف معاشرے میں ترویج دے رہے ہیں بلکہ اس ’’ترقی‘‘ پر فخر بھی کرتے ہیں۔ ٹی وی‘ کیبل اور انٹرنیٹ نے اس فحاشی کو گھر گھر میں پہنچا دیا ہے اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ کسی کو اس ’’اشاعتِ فاحشہ‘‘ میں کوئی قباحت بھی محسوس نہیں

ہوتی۔ امریکہ میں تو ایسی nudists societies بھی پائی جاتی ہیں جن سے تعلق رکھنے والے لوگ نہ صرف لباس کو محض ایک تکلف سمجھتے ہیں بلکہ مادر زاد برہنہ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی حالت میں مخلوط محفلیں بھی سجاتے ہیں۔ امریکہ اور مغربی ممالک میں ہم جنس پرستی کا بڑھتا ہوا رجحان بھی فحاشی اور بے حیائی کی زندہ مثال ہے۔ ہم جنس پرست مرد (gays) ہوں یا عورتیں (lesbians) وہ نہ صرف انتہائی بے شرمی اور بے باکی سے اس فعل شنیع میں ملوث ہیں بلکہ انہوں نے باقاعدہ تنظیمیں بنا رکھی ہیں اور ان تنظیموں کے پلیٹ فارم سے وہ سرعام اپنے نظریات کا پرچار کرتے ہیں اور اپنے قانونی و معاشرتی ''حقوق'' کے لیے سینہ تان کر مظاہرے کرتے ہیں۔ بہرحال آج کی دنیا میں بے شمار لوگ اس آیت کے الفاظ کا مصداق نظر آتے ہیں جن کے برے اعمال ان کی نگاہوں میں مزین کر دیے گئے ہیں اور وہ ان برے اعمال کو نہ صرف اچھا سمجھتے ہیں بلکہ ان پر فخر بھی کرتے ہیں۔

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''تو اللہ گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔''

یہاں پر ''مَـــــنْ'' کا تعلق دو طرفہ ہے۔ چنانچہ اس کے دوسرے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ ہدایت دیتا ہے اسے جو ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہے اور گمراہ کرتا ہے اسے جو گمراہ ہونا چاہتا ہے۔

﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ﴾ ''تو (اے نبیﷺ!) آپ کی جان نہ گھلے ان لوگوں پر رنج کی وجہ سے۔''

اب جبکہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے تو آپؐ ان کے انجام کے تصور سے ان پر افسوس کرتے ہوئے اپنی جان مت گھلائیں، اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں —— یہ مضمون سورۃ الکہف میں بایں الفاظ بیان ہوا ہے: ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝﴾ ''تو (اے نبیﷺ!) آپ شاید اپنے آپ کو غم سے ہلاک کر لیں گے ان کے پیچھے، اگر وہ ایمان نہ لائے اس بات (قرآن) پر''۔ پھر یہی مضمون سورۃ الشعراء میں بھی مذکور ہے: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ ''(اے نبیﷺ!) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس لیے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝﴾ ''یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ کہ یہ لوگ کر رہے ہیں۔''

آیت ۹ ﴿وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ﴾ ''اور اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے''

﴿فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ ''پھر وہ اٹھا لیتی ہیں بادلوں کو، پھر ہم ہانک دیتے ہیں اس (بادل) کو ایک مُردہ زمین کی طرف''

﴿فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ﴾ ''پھر ہم اس سے اس زمین کو زندہ کر دیتے ہیں اس کے مردہ ہو جانے کے بعد۔''

﴿كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝﴾ ''اسی طرح سے ہوگا (تمہارا) اٹھایا جانا بھی!''

جس طرح بے آب و گیاہ بنجر زمین پر بارش کے برستے ہی زندگی کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے طرح طرح کا سبزہ اس میں سے نمودار ہونے لگتا ہے، اسی طرح وقت آنے پر تم بھی اللہ کے حکم سے زمین سے نکل کھڑے ہو گے۔

آیت ۱۰ ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ﴾ ''جو کوئی عزت کا طالب ہے تو (وہ جان لے کہ) عزت سب کی سب اللہ کے پاس ہے۔''

جو شخص اللہ کے جتنا قریب ہوگا اسی قدر وہ سزاوارِ عزت اور صاحبِ توقیر ہوگا۔ اس کے برعکس جو شخص اللہ سے جتنا دور ہوگا اسی قدر وہ ذلیل ہوگا، چاہے دنیا میں وہ بظاہر کتنا ہی باعزت اور صاحبِ ثروت ہو۔ سورۃ المنافقون میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ''اور عزت تو اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسولؐ کے لیے اور مؤمنین کے لیے، لیکن منافقین (یہ بات) نہیں جانتے۔''

﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾ ''اُسی کی طرف اٹھتی ہیں اچھی باتیں''

ہر اچھی بات، ہر اچھا نظریہ، اچھا خیال، دعوتِ حسنہ اور موعظہ حسنہ گویا ''کلمۂ طیبہ'' ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ''اَلْكَلِمُ الطَّيِّبُ'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا ذکر، دعا، تلاوتِ قرآن اور علم و نصیحت کی باتیں ہیں۔ چنانچہ ''ایمان'' بھی کلمۂ طیبہ ہے۔ ظاہر ہے اگر کہیں کسی خیال یا نظریہ کا اظہار کیا جائے گا تو لامحالہ اس کا اظہار ایک ''کلمہ'' ہی کی شکل میں پیش کرنا ممکن ہوگا۔ بہرحال ہر کلمۂ طیبہ (پاکیزہ بات) میں ترفّع (اوپر اٹھنے) کی خداداد صلاحیت موجود ہوتی ہے اور یوں ہر کلمۂ طیبہ اللہ کے حضور پیش ہوتا ہے، لیکن ترفع کی اس صلاحیت کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے محنت اور کوشش کی بھی ضرورت ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا:

﴿وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ ؕ﴾ ’’اور عملِ صالح اسے اوپر اٹھاتا ہے۔‘‘

یعنی ایمان‘ یقین‘ اچھے خیالات‘ اچھے نظریات اور اچھے عزائم اکیلے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر سکیں گے جب تک ان کے ساتھ محنت اور تگ و دو نہیں ہو گی۔ گویا حقیقی کامیابی کے لیے ایمان اور عملِ صالح دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

﴿وَالَّذِیْنَ یَمْکُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ﴾ ’’اور جو لوگ بری سازشیں کر رہے ہیں ان کے لیے سخت سزا ہو گی۔‘‘

﴿وَمَکْرُ اُولٰٓئِکَ ھُوَ یَبُوْرُ ﴿۱۰﴾﴾ ’’اور ان کی سازشیں ناکام ہو کر رہ جائیں گی۔‘‘

آیت ۱۱ ﴿وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَۃٍ ثُمَّ جَعَلَکُمْ اَزْوَاجًا ؕ﴾ ’’اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا‘ پھر نطفے سے‘ پھر تمہیں جوڑے جوڑے بنا دیا۔‘‘

﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِہٖ ؕ﴾ ’’اور نہ ہی کسی مادہ کو کوئی حمل ہوتا ہے اور نہ ہی وہ جنتی ہے مگر یہ اُس کے علم میں ہوتا ہے۔‘‘

انسان ہو یا حیوان‘ اس حوالے سے کوئی چیز اللہ کے علم سے باہر نہیں۔

﴿وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِہٖٓ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ ؕ﴾ ’’اور کسی عمر والے کو عمر نہیں دی جاتی اور نہ ہی کسی کی عمر میں کمی کی جاتی ہے مگر یہ سب ایک کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔‘‘

﴿اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ﴿۱۱﴾﴾ ’’یقیناً یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔‘‘

یعنی اپنی نوع (species) کے اعتبار سے انسان کی ایک اوسط (average) عمر ہے‘ لیکن کوئی شخص اس اوسط عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو جاتا ہے جبکہ ایک دوسرا شخص اوسط عمر کے بعد بھی طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ایک طے شدہ نظام کے تحت وقوع پذیر ہوتا ہے۔ کون طویل عمر پائے گا‘ کون چھوٹی عمر میں فوت ہو جائے گا اور کس کو کب موت آئے گی‘ اس بارے میں تمام فیصلے اللہ کے ہاں پہلے سے طے شدہ ہیں۔

آیت ۱۲ ﴿وَمَا یَسْتَوِی الْبَحْرٰنِ ۖ﴾ ’’اور دو سمندر ایک جیسے نہیں ہیں‘‘

﴿ھٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُہٗ وَھٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ﴾ ’’یہ میٹھا ہے فرحت بخش‘ اس کا پینا خوشگوار ہے اور یہ کھاری ہے سخت کڑوا۔‘‘

﴿وَمِنْ کُلٍّ تَاْکُلُوْنَ لَحْمًا طَرِیًّا﴾ ’’اور ان سب سے تم کھاتے ہو تازہ گوشت‘‘

دونوں طرح کے سمندروں سے تم لوگ مچھلیاں شکار کر کے کھاتے ہو۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کھاری سمندر کی مچھلیوں کا گوشت کڑوا ہو اور میٹھے پانی کی مچھلیاں کھانے میں خوش ذائقہ ہوں۔

﴿وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْیَۃً تَلْبَسُوْنَھَا ۚ﴾ ’’اور (دونوں سے ہی) تم نکالتے ہو زیورات جنہیں تم پہنتے ہو۔‘‘

﴿وَتَرَی الْفُلْکَ فِیْہِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴿۱۲﴾﴾ ’’اور تم دیکھتے ہو کشتیوں کو کہ چلتی ہیں (اس کے سینے کو) چیرتے ہوئے تاکہ تم اُس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔‘‘

آیت ۱۳ ﴿یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَیُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ ۙ﴾ ’’وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں‘‘

﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ﴾ ’’اور اُس نے مسخر کیا ہے سورج اور چاند کو۔‘‘

﴿کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ﴾ ’’ہر چیز چل رہی ہے ایک معیّن وقت تک۔‘‘

﴿ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُ ؕ﴾ ’’یہ اللہ ہے تمہارا ربّ! کُل بادشاہی اُسی کی ہے۔‘‘

﴿وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ﴿۱۳﴾﴾ ’’اور جنہیں تم پکارتے ہو اُس کے سوا‘ وہ ایک ذرّہ بھر اختیار نہیں رکھتے۔‘‘

عرب میں کھجور عام پائی جاتی تھی بلکہ یہ ان کی بنیادی غذائی جنس تھی‘ اس لیے اس کے حوالے سے مختلف مثالیں بھی دی جاتیں۔ چنانچہ کسی حقیر چیز کا ذکر کرنے کے لیے قرآن میں کھجور سے متعلق دو الفاظ قِطْمِیر اور فَتِیل استعمال ہوئے ہیں۔ کھجور کی گٹھلی کے اوپر جو باریک سی جھلی ہوتی ہے اسے قِطْمِیر کہا جاتا ہے‘ جبکہ فَتِیل وہ باریک سا دھاگا ہے جو کھجور کی گٹھلی کی ناف کے اندر ہوتا ہے۔

آیت ۱۴ ﴿اِنْ تَدْعُوْھُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَکُمْ ۚ﴾ ’’اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار کو نہیں سنتے۔‘‘

﴿وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَکُمْ ؕ﴾ ’’اور اگر سن بھی لیں تو تمہاری دعا قبول

نہیں کر سکتے۔‘‘

جیسے کہ وہ لوگ فرشتوں کو بھی اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ چنانچہ اگر فرشتہ سن بھی لے کہ مجھے پکارا جا رہا ہے تو وہ اس پکارنے والے کی حاجت روائی تو نہیں کر سکتا۔

﴿وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکْفُرُوْنَ بِشِرْکِکُمْ ؕ﴾ ’’اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔‘‘

﴿وَلَا یُنَبِّئُکَ مِثْلُ خَبِیْرٍ ﴿۱۴﴾﴾ ’’اور نہیں آگاہ کرے گا کوئی بھی آپ کو اُس (اللہ) کی طرح جو ہر چیز سے باخبر ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ چونکہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے اس لیے جس طرح وہ آپ کو حقائق سے آگاہ کر رہا ہے کوئی دوسرا اس طرح کی آگاہی فراہم نہیں کر سکتا۔

آیات ۱۵ تا ۲۶

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ
يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ
وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا
قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ
تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى
وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي
الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي
الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ
اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ
جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾

آیت ۱۵ ﴿یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ ۚ وَاللّٰہُ ہُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۱۵﴾﴾
’’اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تو الغنی اور الحمید ہے۔‘‘

تمہاری بے شمار احتیاجات ہیں جو اللہ تعالیٰ پوری کرتا ہے‘ لیکن وہ خود بے نیاز ہے‘ اس کی کوئی حاجت نہیں جو تمہیں پوری کرنا ہو۔ اور وہ ستودہ صفات ہے‘ اپنی ذات میں خود محمود ہے‘ کوئی اُس کی حمد کرے یا نہ کرے‘ مگر حمد (شکر و تعریف) کا استحقاق اُسی کو پہنچتا ہے۔

آیت ۱۶ ﴿اِنْ یَّشَاْ یُذْہِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۶﴾﴾ ’’اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے (ختم کر دے) اور ایک نئی مخلوق لے آئے۔‘‘

آیت ۱۷ ﴿وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ ﴿۱۷﴾﴾ ’’اور یہ اللہ پر ہرگز بھاری نہیں ہے۔‘‘

آیت ۱۸ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ﴾ ’’اور کوئی جان نہیں اٹھائے گی کسی دوسری جان کا بوجھ۔‘‘

﴿وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَۃٌ اِلٰی حِمْلِہَا﴾ ’’اور اگر بوجھ تلے دبی کوئی جان کسی کو پکارے گی اپنے بوجھ (کے ہٹانے) کے لیے‘‘

﴿لَا یُحْمَلْ مِنْہُ شَیْءٌ وَّلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی ؕ﴾ ’’تو نہیں اٹھائے گا کوئی اس میں سے کچھ بھی اگرچہ وہ قرابت دار ہی ہو۔‘‘

میدانِ حشر میں اگر کوئی گنہگار اپنے گناہوں کے بوجھ کو ناقابل برداشت پا کر اپنے کسی قریبی رشتہ دار کو بھی مدد کے لیے پکارے گا تو وہ بھی بیگانوں کی طرح اس کے قریب سے گزر جائے گا اور اس کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔

﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّہُمْ بِالْغَیْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ؕ﴾ ’’(اے نبیﷺ!) آپ تو انہی لوگوں کو خبردار کر سکتے ہیں جو ڈرتے ہیں اپنے ربّ سے غیب میں رہتے ہوئے اور نماز قائم کرتے ہیں۔‘‘

اللہ پر ایمان لانے اور اس سے ڈرنے کی اہمیت تو اسی وقت تک ہے جب تک کہ غیب کے پردے حائل ہیں۔ جب یہ پردے اٹھ جائیں گے اُس وقت کسی کا ایمان لانا اس کے لیے مفید نہیں ہوگا۔ اس وقت تو بڑے بڑے سرکش اور نافرمان لوگ بھی سر تسلیم خم کر دیں گے۔

﴿وَمَنْ تَزَکّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَکّٰی لِنَفْسِہٖ ؕ﴾ ’’اور جو کوئی بھی پاکیزگی اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے ہی بھلے کے لیے کرتا ہے۔‘‘

﴿وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۸﴾﴾ ’’اور اللہ ہی کی طرف (سب کو) پلٹنا ہے۔‘‘

آیت ۱۹ ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝۱۹﴾ ''اور برابر نہیں ہو سکتے اندھا اور دیکھنے والا۔''

آیت ۲۰ ﴿وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝۲۰﴾ ''اور نہ اندھیرے اور روشنی (برابر ہو سکتے ہیں)۔''

آیت ۲۱ ﴿وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝۲۱﴾ ''اور نہ سایہ اور دھوپ (برابر ہو سکتے ہیں)۔''

آیت ۲۲ ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ﴾ ''اور نہ برابر ہو سکتے ہیں زندہ اور مردہ لوگ۔''

یہاں مُردوں سے مراد وہ مردے نہیں جو قبروں میں دفن ہیں' بلکہ یہ ان جیتے جاگتے انسانوں کا تذکرہ ہے جن کی روحیں مردہ ہو چکی ہیں۔ اگرچہ جسمانی اعتبار سے تو ایسے لوگ زندوں میں شمار ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ چلتے پھرتے مقبرے اور تعزیے ہیں' کیونکہ ان کی انسانیت مرکر ان کے جسموں کے اندر دفن ہو چکی ہے۔ اسی طرح یہاں زندوں سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی روحیں اور جن کے دل زندہ ہیں۔ زندگی کے اس فلسفے کو میر دردؔ نے اس طرح بیان کیا ہے: ؎

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے!

اگر کسی شخص کا دل مر گیا یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ اس کی روح دم توڑ گئی تو انسانی سطح پر اس شخص کی موت واقع ہو گئی۔ اب اگر وہ زندہ ہے تو حیوانی سطح پر زندہ ہے۔ جس طرح حیوان کھاتے پیتے ہیں اور زندگی کی دوسری ضروریات وخواہشات پوری کرتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں اسی طرح اب وہ بھی زندگی بسر کر رہا ہے' مگر یہ زندگی ایک انسان کی زندگی ہرگز نہیں ہے۔ مثلاً ابوجہل بظاہر اچھی بھلی زندگی بسر کر رہا تھا مگر اس کے اندر کا انسان چونکہ زندہ نہیں تھا اس لیے نہ تو وہ آفتابِ نبوت کو دیکھ سکا' نہ اس کی تمازت محسوس کر سکا اور نہ ہی اس کی روشنی سے مستفیض ہو سکا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۲۲﴾ ''یقیناً

اللہ سناتا ہے جس کو چاہتا ہے' اور (اے نبیﷺ!) آپ نہیں سنا سکتے انہیں جو قبروں کے اندر ہیں۔''

قبروں میں مدفون سے مراد یہاں وہی لوگ ہیں جن کے جسم اپنی مُردہ روحوں کے چلتے پھرتے مقبرے بن چکے ہیں۔

آیت ۲۳ ﴿اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ۝۲۳﴾ ''آپؐ نہیں ہیں مگر صرف خبردار کرنے والے!''

آپؐ کا کام تو بس لوگوں کو خبردار کر دینا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی ہوش میں نہیں آتا اور اپنی گمراہیوں میں بھٹکتا رہتا ہے تو اس کی کوئی ذمہ داری آپؐ پر نہیں ہے۔

آیت ۲۴ ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ﴾ ''یقیناً ہم نے بھیجا ہے آپؐ کو حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر۔''

﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝۲۴﴾ ''اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ گزرا ہو۔''

آیت ۲۵ ﴿وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ﴾ ''اور اگر یہ لوگ آپؐ کو جھٹلائیں تو جھٹلا چکے ہیں وہ لوگ بھی جو ان سے پہلے تھے۔''

﴿جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝۲۵﴾ ''ان کے پاس آئے تھے ان کے رسولؑ واضح نشانیاں' صحیفے اور روشن کتابیں لے کر۔''

آپؐ سے پہلے بہت سے انبیاء و رسلؑ کو ان کی قومیں جھٹلا چکی ہیں' حالانکہ وہ ان کے پاس بہت واضح معجزات' صحیفے اور کتابیں لے کر آئے تھے۔ سورۃ الاعلیٰ کی آخری آیت میں حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰؑ کے صحائف کا ذکر ہے جبکہ تین الہامی کتابوں (تورات' زبور اور انجیل) کا ذکر قرآن میں متعدد بار آیا ہے۔

آیت ۲۶ ﴿ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝۲۶﴾ ''پھر میں نے پکڑ لیا ان کو جنہوں نے کفر کیا' تو (دیکھ لو) کیسی رہی میری سزا؟''

سلسلہ وار دروسِ قرآن (۶)

سورۃ الفاتحہ

قرآن کے فلسفہ وحکمت کی اساسِ کامل

شجاع الدین شیخ☆

قرآن حکیم بنی نوعِ انسان کو جو حکمت عطا فرماتا ہے‘ اس کی ایک کامل بنیاد سورۃ الفاتحہ میں ہمیں ملتی ہے۔ سورت اور اس کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ (آمین)

’’کل شکر وثناء اللہ کے لیے ہے جو تمام جہان والوں کا رب ہے۔ جو بہت زیادہ اور مسلسل رحم کرنے والا ہے۔ بدلے کے دن کا مالک ہے۔ (اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کریں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگیں گے۔ ہم کو چلا سیدھے راستے پر۔ راستہ ان لوگوں کا جن پر (اے اللہ!) تو نے انعام کیا۔ نہ تو ان پر ناراض ہوا اور نہ ہی وہ گمراہ ہوئے۔‘‘

یہ سورۃ ترتیبِ نزول اور ترتیبِ تلاوت کے لحاظ سے پہلی مکمل سورت ہے۔ ویسے تو نزول کے اعتبار سے نبی اکرم ﷺ پر سب سے پہلے سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات نازل ہوئیں‘ لیکن پہلی مکمل سورت جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی وہ سورۃ الفاتحہ ہے۔ آج ہم جب قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو وہاں بھی سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ آتی ہے‘ گویا یہ نزول اور تلاوت کے اعتبار سے پہلی سورت ہے۔

☆ معاون برائے مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت‘ تنظیم اسلامی

سورۃ الفاتحہ کی عظمت

اس سورت کی عظمت خود قرآن حکیم نے سورۃ الحجر میں بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوا: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝۸۷﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کو عطا فرمائیں سات (آیات) بار بار دہرائی جانے والیاں جو کہ (بذاتِ خود) ایک عظیم قرآن کا درجہ رکھتی ہیں‘‘۔ اسی کی وضاحت ہمیں حضور اکرم ﷺ کے اس فرمانِ مبارک میں ملتی ہے جسے ترمذی میں روایت کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا اُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْاِنْجِيْلِ وَلَا فِي الزَّبُوْرِ وَلَا فِي الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا ، وَاِنَّهَا سَبْعٌ مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ اُعْطِيْتُهٗ))(۱)

’’اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے‘ یہ وہ سورت ہے جس کی مثل نہ تورات میں نازل ہوئی‘ نہ انجیل میں‘ نہ ہی زبور میں اور نہ ہی قرآن میں اس کی نظیر موجود ہے۔ اور یہی ہے سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ اور الْقُرْآنُ الْعَظِيْم جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔‘‘

بخاری شریف کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’یہ قرآن کریم کی عظیم ترین سورت ہے‘‘۔ مسلم شریف کی روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ کو دو ایسے نور دیے گئے جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیے گئے‘ یعنی سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کی آخری (دو) آیات۔

سورۃ الفاتحہ کے بارے میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ یہ بمنزلہ ’’دعا‘‘ کے ہے اور باقی پورا قرآن بمنزلہ ’’جوابِ دعا‘‘ ہے۔ مزید یہ کہ سورۃ الفاتحہ نماز کا جزوِ لازم ہے۔ آپ کے علم میں ہے کہ ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کی جاتی ہے‘ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اسے نماز کا جزوِ لازم قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَاْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ))(۲) ’’اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھی‘‘۔ ایک حدیث قدسی میں تو سورۃ الفاتحہ ہی کو نماز قرار دیا گیا۔ یہ ایک طویل حدیث ہے جس میں سورۃ الفاتحہ کی

(۱) سنن الترمذی‘ کتاب فضائل القرآن‘ باب ما جاء فی فضل فاتحۃ الکتاب۔

(۲) صحیح البخاری‘ کتاب الاذان‘ باب وجوب القراءۃ للامام والمأموم...... الخ۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الصلاۃ‘ باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ...... الخ۔

عظمتوں کا بیان ہے‘ اس کا تذکرہ آگے آئے گا۔

سورۃ الفاتحہ کا اجمالی جائزہ

اب ہم اس سورت کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں۔ اس سورت کی پہلی تین آیات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں‘ جن میں توحید اور آخرت کا ذکر بھی ہے اور اللہ کی حمد وثنا کا بیان بھی۔ آیت نمبر۴ اللہ اور بندوں کے درمیان عہد وپیمان ہے‘ جبکہ آخری تین آیات بندے کے لیے ہیں اور بندے کی ضرورت کے لیے دعا بھی۔ بندے نے اللہ سے ہدایت کی دعا کی جو انسانوں کو رسولوں کے ذریعے ملتی ہے‘ لہٰذا یہاں رسالت کا ذکر بھی آ گیا۔

اس بات کو ایک اور تمثیل سے سمجھتے ہیں۔ بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمد ؒ نے سورۃ الفاتحہ کا مفہوم سمجھاتے ہوئے ترازو کا تصور سامنے رکھا —— اس تصور کے پیچھے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے‘ جس کا تذکرہ آگے آئے گا —— ترازو کے دو پلڑے ہوتے ہیں جو اوپر سے آپس میں جڑے ہوتے ہیں اور درمیان میں پکڑنے کے لیے ایک ہینڈل ہوتا ہے۔ چنانچہ پہلی تین آیات جو اللہ کے لیے ہیں‘ ایک پلڑے میں جبکہ آخری تین آیات جو بندوں کے لیے ہیں‘ دوسرے پلڑے میں ہیں اور چوتھی آیت (ترازو کی ڈنڈی) اللہ اور بندوں دونوں کے لیے ہے‘ جس کے درمیان میں واؤ ہے۔

اس کے بعد ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ہمیں دعا مانگنے کا سلیقہ سکھایا ہے۔ یعنی جب بھی دعا مانگی جائے تو پہلے اللہ کی حمد وثنا کی جائے‘ پھر اللہ کی بندگی کا اقرار کیا جائے اور اپنی بے بسی اور لاچارگی کا اعتراف کیا جائے اور آخر میں اللہ سے عاجزانہ دعا کی جائے۔

اس سورۂ مبارکہ میں ایک سلیم الفطرت انسان کے جذبات کی ترجمانی ہمارے سامنے آتی ہے۔ ابتدائی چار آیات پر غور وفکر کے حاصل میں حقیقی محسن کی پہچان اور اس کے لیے اظہارِ تشکر‘ نیکی اور بدی کی بنیاد پر جزا وسزا کا تصور‘ شکر کے نتیجے کے طور پر حقیقی محسن کی عبادت کا اقرار اور اپنی بے بسی اور لاچارگی کا اظہار شامل ہے۔ ایک سلیم الفطرت انسان جب کائنات پر غور کرے گا تو اپنے رب کو پہچان لے گا اور اپنے باطن کے احساسات کے مطابق غور کرے گا تو آخرت کو پہچان لے گا۔ آخری تین آیات میں بندوں کی احتیاج میں غور وفکر کے نتیجے میں

حاصل شدہ ایمان کی یقین میں تبدیلی‘ نیکی کا متوازن نمونہ اور اجتماعی معاملات میں حقوق و فرائض کے لیے متوازن رہنمائی شامل ہے۔

مطالعۂ سورۃ

اب ہم سورۃ الفاتحہ کی ایک ایک آیت کا باعتبارِ تدبر مطالعہ کرتے ہیں۔

پہلی آیت: پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝﴾ ’’سب شکر وثنا اللہ کے لیے ہے جو تمام جہان والوں کا مالک اور پروردگار ہے‘‘۔ لفظ حمد اردو میں بھی مستعمل ہے۔ حمد‘ شکر اور ثنا کا مجموعہ ہے‘ یعنی کسی محسن کی ایسی مدح اور تعریف جس میں شکر کے جذبات بھی شامل ہوں۔ محض مدح اور تعریف پر حمد کا کلمہ صادق نہیں آتا۔ ادعیۂ ماثورہ (مثلاً کھانے پینے اور دیگر مواقع کی دعاؤں) میں بھی ہمیں کلمۂ حمد کی کثرت ملتی ہے اور یہ وہ دعائیں ہیں جو ہمیں حضور اکرم ﷺ نے سکھائی ہیں۔ سنن الترمذی کی روایت کے مطابق حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’کلمہ سبحان اللہ (معرفت الٰہی کے بیان کے) میزان کو آدھا بھر دیتا ہے اور کلمہ الحمد للہ اسے پر کر دیتا ہے‘‘۔ سلیم الفطرت انسان میں ابتداءً شکر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں پہلے والدین کے لیے‘ پھر معاشرے کے دیگر افراد کے لیے‘ پھر مظاہر قدرت کے لیے اور بالآخر اللہ ربّ العزت کے لیے جو اصلاً ربّ العالمین ہے۔

دوسری آیت: دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝﴾ ’’وہ بہت زیادہ اور مسلسل رحم کرنے والا ہے‘‘۔ الرحمٰن کے معنی انتہائی رحم کرنے والا‘ جس کی رحمت میں سمندر کا سا جوش ہو اور الرحیم کے معنی مسلسل رحم فرمانے والا جس میں دریا کی سی روانی ہو۔ ہمارا معاملہ تو یہ ہے کہ کبھی جذبات میں آ کر کوئی محبت یا مؤدت کا معاملہ کر تو بیٹھتے ہیں لیکن اس میں تسلسل نہیں ہوتا۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ اور بندے کا فطری تعلق خوف کے بجائے محبت کے جذبے پر استوار ہے۔ اللہ کا یہ اولین تعارف ہمارے سامنے آیا۔

تیسری آیت: تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۝﴾ ’’وہ بدلے کے دن کا مالک ہے‘‘۔ ہم نے یہاں الدِّیۡنِ کا ترجمہ بدلہ کیا ہے کیونکہ الدِّیۡن کا لغوی معنی یہی ہے۔ یہ ہمارے دین کی بہت جامع اصطلاح ہے۔ اس کا اصطلاحی معنی قانون‘ نظام اور اطاعت ہے۔ بدلہ دینے کے لیے قانون ضروری ہے‘ قانون کے نفاذ کے لیے نظام

کا موجود ہونا ضروری ہے اور نظام وہی ہے جس کی اطاعت کی جائے۔ اللہ کے نزدیک دین‘ دین اسلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر شے بامقصد پیدا کی ہے۔ اسی طرح ہمارے باطن میں نیکی اور بدی کا شعور بظاہر خارجی نتائج سے متصادم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری فطرت میں نیکی اور بدی کا شعور رکھا ہے اور سورۃ الشّمس میں اس کا ذکر بایں الفاظ آیا ہے: ﴿وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۞ فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰىهَا ۞﴾ (الشّمس) ”قسم ہے نفس انسانی کی اور جو اسے سنوارا (درست کیا‘ اس کی نوک پلک سنواری)‘ پھر اس میں نیکی اور بدی کا علم الہامی طور پر رکھ دیا“۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری فطرت سچ کو اچھا اور جھوٹ کو برا سمجھتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ سچ پر جزا اور جھوٹ پر سزا ملنی چاہیے‘ مگر معاشرے میں اکثر ایسا ہوتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ سچوں کو مشقتیں جھیلنی پڑتی ہیں اور جھوٹے مزے کر رہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ دنیا اخلاقی اعتبار سے نامکمل ہے۔ زہر پینے پر بالعموم موت واقع ہوتی ہے‘ لیکن جھوٹ بولنے پر زبان میں چھالے بھی نہیں پڑتے۔ غیبت کرتے ہوئے زبان پر کوئی تلخ ذائقہ بھی نہیں آتا۔ دنیا میں اخلاقی اعتبار سے معاملات نامکمل ہیں‘ لہٰذا ایک دن ایسا ہونا چاہیے جس میں نیکیوں پر بھرپور انعام اور برائیوں پر سزا ملے‘ جس کو ہم ”یوم الدین“ کہتے ہیں۔ یہ توحید سے آخرت تک کا عقلی سفر ہے۔

چوتھی آیت: چوتھی آیت میں ارشاد فرمایا: ﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۞﴾ ”(اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کریں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگیں گے“ —— فعل مضارع کے اعتبار سے اس آیت کے دو تراجم کیے جا سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں‘ دوسرا یہ کہ ہم تیری ہی عبادت کریں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگیں گے۔ عربی میں حال اور مستقبل کے لیے ایک ہی فعل (مضارع) آتا ہے‘ لہٰذا دونوں زمانوں کے اعتبار سے ترجمہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ پہلا ترجمہ ایک دعویٰ ہے‘ جبکہ دوسرا ترجمہ ایک وعدہ ہے۔

عبادت اور استعانت کا مفہوم

”عبادت“ ایک اہم اصطلاح ہے جس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ عبادت کا لفظ عبد سے بنا ہے جس کے معنی غلام کے ہیں۔ غلامی اور ملازمت میں فرق ہے۔ غلام چوبیس گھنٹے کا غلام ہوتا ہے اور ملازم مخصوص وقت اور مخصوص کام کے لیے ملازم ہوا کرتا ہے۔ غلام کی اپنی مرضی نہیں

ہوتی بلکہ وہ مالک کے حکم کا تابع ہوتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اللہ کو صرف غلامی مقصود نہیں ہے۔ بقول حافظ ابن قیم عبادت دو چیزوں کو جمع کرتی ہے‘ یعنی انتہائی درجے کی محبت اور اس کے ساتھ مکمل طور پر عاجزی اختیار کرنا اور خود کو جھکا دینا۔ سورۃ الذاریات میں جن و انس کا مقصدِ تخلیق عبادت ہی قرار دیا گیا ہے: ﴿وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ ۞﴾ ”اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر صرف اس لیے کہ وہ میری بندگی کریں“۔ شیخ سعدیؒ نے اس مفہوم کی ترجمانی اس طرح کی ہے: ؎

زندگی آمد برائے بندگی زندگی بے بندگی شرمندگی!

چنانچہ عبادت کو محض عبادات سمجھ لینا عبادت کا نہ صرف محدود بلکہ مسخ شدہ تصور ہے۔ نماز‘ روزہ‘ حج‘ زکوٰۃ عبادات ہیں‘ عبادت نہیں۔ سورۃ البینہ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَمَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ ۙ۬ حُنَفَآءَ وَیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِكَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَةِ ۞﴾ ”اور انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا مگر یہ کہ اللہ کی عبادت کریں‘ اسی کی خالص اطاعت کے ساتھ (اور) بالکل یکسو ہو کر‘ اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ اور یہی درست (اور صحیح) دین ہے“۔ اس آیت میں عبادت کا ذکر الگ سے آیا ہے کہ عبادت یکسو ہو کر کرو اور نماز اور زکوٰۃ کا ذکر الگ سے۔ نماز دن میں تقریباً دو گھنٹے اور زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ ہے‘ جبکہ عبادت تو دن رات میں چوبیس گھنٹے‘ سال میں ۳۶۵ دن‘ بلکہ پوری زندگی کا معاملہ ہے۔

اگلی اصطلاح جو اس آیت میں استعمال ہوئی ہے وہ ”استعانت“ ہے۔ اس کے معنی ہیں: مدد مانگنا یا تعاون طلب کرنا۔ عبادت اور استعانت میں بڑا گہرا تعلق ہے۔ سنن الترمذی کی روایت کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الۡعِبَادَةِ)) ”دعا عبادت کا مغز ہے“۔ اللہ عزوجل کی عبادت اس کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں‘ چنانچہ اللہ کی عبادت کے لیے بھی بندہ اس سے مدد مانگنے کا محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرض نمازوں کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ دعا تلقین فرمائی: ((رَبِّ اَعِنِّیۡ عَلٰی ذِکۡرِكَ وَشُکۡرِكَ وَحُسۡنِ عِبَادَتِكَ))[۳] ”اے میرے پروردگار! اپنے ذکر اور شکر کے لیے اور اپنی عمدہ عبادت کے لیے میری مدد فرما“۔

پانچویں آیت: پانچویں آیت میں ارشاد ہوا: ﴿اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۞﴾ ”ہم کو چلا سیدھے راستے پر“۔ اس مقام پر ہمیں اللہ سے دعا سکھائی جا رہی ہے۔

(۳) سنن النسائی‘ کتاب السهو‘ باب نوع آخر من الدعاء۔

ہدایت اور رہنمائی کی مختلف نوعیتیں

اس آیت میں ہدایت کی اصطلاح استعمال ہوئی جس کے معنی میں رہنمائی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ رہنمائی کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں: اول سجھا دینا‘ دوم اشارہ کر دینا‘ سوم منزل تک پہنچا دینا۔ مثلاً کوئی صاحب آپ سے کسی صاحب کا پتا معلوم کرنا چاہیں تو جواب میں آپ اس کو اسی مقام پر بیٹھ کر اس کا پتا بتا دیں۔ دوسرے یہ کہ انہیں تفصیل سے سمجھائیں کہ کس طرف جانا ہے‘ کدھر مڑنا ہے اور کہاں پر وہ صاحب رہتے ہیں۔ یا آخری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ آپ انہیں اپنے ہمراہ اس منزل تک پہنچا دیں۔ مذکورہ آیت میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے ہیں کہ ہمیں نہ صرف ہدایت سجھا دیجیے‘ اس راہ پر چلا بھی دیجیے‘ بلکہ منزلِ مقصود تک پہنچا دیجیے۔

رہنمائی کی طرح ہدایت کی بھی مختلف نوعیتیں ہیں۔ ایک ہدایت فکری ہوتی ہے۔ اللہ اور آخرت کی ضرورت کا احساس فطرتِ انسانی میں ودیعت شدہ ہے۔ انسان غور و فکر کر کے اللہ کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ انسان اپنے باطن کے شعور کے مطابق غور و فکر کرے گا تو اس میں آخرت کی ضرورت کا احساس پیدا ہو جائے گا۔ یہ باتیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر فطری اور نظری طور پر رکھ دی ہیں۔ ایک ہدایت عملی سطح پر ہوتی ہے‘ وہ نیکی اور بدی کا شعور ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اسی ہدایت پر عمل کا ایک متوازن نمونہ ہوتے ہیں۔ سورۃ الشّمس میں مذکور ہے کہ انسان کو اس کی بدکرداری اور اس کی پرہیزگاری الہام کر دی گئی ہے۔ پھر اس شعور کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا اور پیغمبر انسانوں کے لیے ایک متوازن نمونہ بن کر آتے ہیں۔

یہ رہنمائی انفرادی زندگی میں عملی سطح پر ہوتی ہے‘ لیکن رہنمائی اجتماعی سطح پر بھی ہوتی ہے۔ اجتماعی معاملات میں انسان کُلّی طور پر ہدایت کا محتاج ہے‘ مثلاً عورت اور مرد کے درمیان حقوق و فرائض کا صحیح تعین‘ فرد اور اجتماعیت کے درمیان تعلق میں اعتدال‘ امیر اور مامورین کے درمیان حقوق و فرائض کا صحیح تعین اور سرمایہ اور محنت کے درمیان متوازن نسبت۔ مَردوں کے ہاتھوں میں نظام دیں تو وہ عورتوں کا استحصال کریں گے‘ عورتوں کے اختیار میں نظام دیا جائے تو وہ مَردوں کے حقوق کا بالکل خیال نہیں کریں گی۔ اللہ نے مرد اور عورت دونوں کو پیدا کیا ہے اور اس کے دیے ہوئے نظام میں ہی توازن ہے۔ حاکم اور محکوم کے درمیان توازن بھی اللہ کے نظام ہی میں ہے۔ کسی اجتماعیت کا کوئی ذمہ دار ہوگا اور اس کے کچھ ماتحت ہوں گے۔ ان کے

درمیان اگر عقل کو بنیاد بنائیں گے تو وہ ایک دوسرے کی حق تلفیاں کریں گے۔ سرمایہ اور محنت کے معاملے میں انسان بڑی ٹھوکریں کھا چکا ہے۔ صحیح نظام اسی کا ہوگا جس نے مرد و عورت‘ امیر و مامورین اور سرمایہ داروں اور مزدوروں سب کو پیدا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تکمیلِ دین اجتماعی معاملات کے ضمن میں تکمیلِ ہدایت ہے جس کا اعلان سورۃ المائدہ میں اس طرح ہوا: ﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ......﴾ (آیت ۳) ’’آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل فرما دیا......‘‘ اس سارے تصور کو ذہن میں رکھ کر دعا کریں گے تو اپنی محتاجی کا بھی احساس ہوگا اور دعا بھی دل سے نکلے گی۔ پھر یہ بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ دعا ہی رسالت کی ضرورت اور اہمیت کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

صراطِ مستقیم کیا ہے؟

اب ہم صراطِ مستقیم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ صراط کے معنی راستہ اور مستقیم کے معنی سیدھا ہونے کے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے زمین پر ایک نقشہ بنا کر صراطِ مستقیم کی وضاحت فرمائی جو سیدھا جنت میں لے جائے گا اور دیگر متفرق راستوں کی نشان دہی فرمائی جو جہنم میں لے جانے والے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے وہ راستہ جو جنت کی طرف لے جانے والا ہے‘ اس کے لیے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور پھر دائیں سے بائیں طرف اور بائیں سے دائیں طرف آپ ﷺ نے کچھ لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ ان میں سے ہر راستے پر ایک شیطان بیٹھا ہوا ہے جو جہنم کی طرف لے جانے والا ہے۔ آج بھی انسان کبھی کیپٹیلزم کی انتہا پر‘ کبھی سوشلزم کی انتہا پر‘ کبھی بادشاہت سے جمہوریت کی طرف اور کبھی جمہوریت سے آمریت کی طرف‘ ٹھوکریں کھاتا چلا جا رہا ہے اور کھاتا ہی چلا جائے گا جب تک کہ پیغمبر ﷺ کے ذریعے ملنے والی الہامی ہدایت یعنی صراطِ مستقیم کی پیروی نہیں کرتا۔ جامع ترمذی کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ’’یہ (قرآن) ہی سیدھا راستہ ہے‘‘ جس کی ہدایت کی عملی تعبیر آپ ﷺ کی سنت سے ہمیں ملتی ہے۔

چھٹی آیت: چھٹی آیت میں ارشاد ہوا: ﴿صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ ۵﴾ ’’راستہ ان لوگوں کا جن پر (اے اللہ!) تو نے انعام فرمایا‘‘۔ قرآن مجید‘ انعام یافتہ لوگوں کے بارے میں سورۃ النساء میں فرماتا ہے: ﴿وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ

مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ﴿۶۹﴾ ’’اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے تو ایسے ہی لوگ (آخرت میں) ان (مقبول بندوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ اور یہ کیا ہی اچھے رفیق ہیں!‘‘

ساتویں آیت: آخری آیت میں ارشاد ہوا: ﴿غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝﴾ ’’(اے اللہ!) نہ تو ان پر ناراض ہوا اور نہ ہی وہ گمراہ ہوئے‘‘۔ یہاں پر دو گروہوں کا ذکر آ رہا ہے جن سے ہمیں بچنا ہے۔ پہلا گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا لیکن انہوں نے جان بوجھ کر ایسے اعمال کیے کہ اللہ ان سے ناراض ہو گیا۔ مسند احمد کی روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ’’مغضوب علیھم‘‘ سے مراد یہود ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں اسی گروہ کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿وَضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ وَالْمَسْکَنَۃُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ ؕ﴾ (آیت ۶۱) ’’اور آخر کار ذلت اور محتاجی ان پر مسلط ہو گئی اور وہ اللہ کی غضب میں آ گئے‘‘۔ دوسرا گروہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو گمراہ یعنی راہِ حق سے دور ہو گئے۔ مسند احمد کی روایت کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا کہ ’’ضالین‘‘ سے مراد عیسائی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے عقیدوں میں من چاہی باتیں اختیار کیں، عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور خدا قرار دے دیا، رہبانیت کی روش اختیار کر لی، نئی نئی باتیں دین میں شامل کیں اور گمراہ ہو گئے۔ ہمیں محض پڑھ کر گزر نہیں جانا چاہیے بلکہ ان حرکتوں سے بچنا چاہیے جن کی وجہ سے عیسائی گمراہ ہوئے اور یہود پر اللہ کا غضب ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی ان حرکات اور اعمال سے حفاظت فرمائے، آمین!

آمین کی حیثیت

اس سورت کے آخر میں ہم آمین پڑھتے ہیں، جس کے معنی ہیں: اے اللہ! ایسا ہی ہو۔ اس سورۂ مبارکہ کے اختتام پر ’’آمین‘‘ کہنا مسنون ہے۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے۔

حدیثِ قدسی

آخر میں ایک ایمان افروز حدیث قدسی پیش خدمت ہے۔ مسلم شریف کی روایت کے

مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ کو وہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((قَسَمْتُ الصَّلَاۃَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ نِصْفَیْنِ ، وَلِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ، فَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ، وَاِذَا قَالَ ﴿اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ، وَاِذَا قَالَ ﴿مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ قَالَ مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ —— وَقَالَ مَرَّۃً: فَوَّضَ اِلَیَّ عَبْدِیْ —— فَاِذَا قَالَ ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ قَالَ ھٰذَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ ، وَلِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ، فَاِذَا قَالَ ﴿اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ﴾ قَالَ ھٰذَا لِعَبْدِیْ، وَلِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ)) (۴)

’’میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، اور میرے بندے کو وہ عطا کیا گیا جو اس نے مانگا۔ تو جب بندہ ’’اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ‘‘ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرا شکر ادا کیا۔ اور جب وہ ’’اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ‘‘ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف بیان کی۔ اور جب وہ ’’مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ‘‘ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری بڑائی بیان کی —— اور ایک بار فرمایا کہ میرے بندے نے اپنے سب کام میرے سپرد کر دیے —— جب بندہ ’’اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ‘‘ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ حصہ میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے اور میں نے اپنے بندے کو وہ عطا کیا جو اس نے مانگا۔ پھر جب بندہ ’اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ‘‘ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کو وہ عطا کیا گیا جو اس نے مانگا۔‘‘

الحمد للہ، آج کے درس کا اختتام ہوتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان قرآنی تعلیمات پر جو اس درس میں حاصل ہوئیں، عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ۞۞۞

(۴) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ...... الخ

ماہِ رمضان کے بعد
ہماری زندگی میں تبدیلی آنی چاہیے

ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی☆

عمل کی قبولیت کی جو علامتیں علماء کرام نے قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائی ہیں ان میں سے ایک اہم علامت عملِ صالح کے بعد دیگر اعمالِ صالحہ کی توفیق اور دوسری علامت اطاعت کے بعد نافرمانی کی طرف عدمِ رجوع ہے۔ نیز ایک اہم علامت نیک عمل پر قائم رہنا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ اَدْوَمُھَا وَاِنْ قَلَّ)) (متفق علیہ)

''اللہ تعالیٰ کو محبوب عمل وہ ہے جس میں مداومت یعنی پابندی ہو خواہ مقدار میں کم ہی کیوں نہ ہو۔''

حضرت عائشہ ؓ سے حضور اکرم ﷺ کے عمل کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا آپ ﷺ ایام کو کسی خاص عمل کے لیے مخصوص فرمایا کرتے تھے؟ اس کے جواب میں حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: ''نہیں' بلکہ آپ ﷺ اپنے عمل میں مداومت (پابندی) فرماتے تھے۔ اگر کوئی ایسا کرسکتا ہے تو ضرور کرے۔'' (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا:

((یَا عَبْدَ اللّٰہِ لَا تَکُنْ مِثْلَ فُلَانٍ کَانَ یَقُوْمُ اللَّیْلَ فَتَرَکَ قِیَامَ اللَّیْلِ))

(صحیح البخاری)

''اے عبداللہ! فلاں شخص کی طرح مت بنو جو راتوں کو قیام کرتا تھا لیکن اب اس نے

☆najeebqasmi@yahoo.com

قیام کرنا چھوڑ دیا۔''

لہٰذا ماہِ رمضان کے ختم ہونے کے بعد بھی ہمیں برائیوں سے اجتناب اور نیک اعمال کا سلسلہ باقی رکھنا چاہیے' کیونکہ اسی میں ہماری دونوں جہاں کی کامیابی وکامرانی مضمر ہے۔ اس ضمن میں چند اعمال تحریر کیے جا رہے ہیں' دیگر اعمال صالحہ کے ساتھ ان کا بھی خاص اہتمام رکھیں۔

ماہِ شوال کے ۶ روزے

حضرت ابوایوب انصاری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ))

(صحیح مسلم' ابوداوٗد' ترمذی' ابن ماجہ)

''جس نے رمضان کے روزے رکھے' پھر اُس کے بعد چھ دن شوال کے روزے رکھے تو وہ ایسا ہے گویا اُس نے سال بھر روزے رکھے۔''

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو بشارت دی ہے کہ ماہِ رمضان کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنے والا اس قدر اجر وثواب کا حقدار ہوتا ہے گویا اس نے پورے سال روزے رکھے۔ اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قانون کے مطابق ایک نیکی کا ثواب کم ازکم دس گنا ملتا ہے' جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ (الانعام: ۱۶۰)

''جو شخص ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔''

تو اس طرح جب کوئی ماہ رمضان کے روزے رکھے گا تو دس مہینوں کے روزوں کا ثواب ملے گا اور جب شوال کے چھ روزے رکھے گا تو ۶۰ دنوں کے روزوں کا ثواب ملے گا۔ اس طرح مل کر بارہ مہینوں یعنی ایک سال کے برابر ثواب ہوجائے گا۔ یہ چھ روزے ماہِ شوال میں عید کے بعد لگاتار بھی رکھے جاسکتے ہیں اور بیچ میں ناغہ کرکے بھی رکھے جاسکتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے ان چھ روزوں کو رکھنا شروع کیا' لیکن کسی وجہ سے ایک یا دو روزے رکھنے کے بعد دیگر روزے نہیں رکھ سکا تو اس پر باقی روزوں کی قضا ضروری نہیں ہے۔

فرض نماز کی پابندی

نماز' ایمان کے بعد دین اسلام کا سب سے اہم اور بنیادی رکن ہے جس کی ادائیگی ہر

عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ لیکن انتہائی تشویش وفکر کی بات ہے کہ مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد اِس اہم فریضہ سے غافل اور بے پروا ہے۔ رمضان کے مبارک ماہ میں تو نماز کا اہتمام کر لیتے ہیں مگر رمضان کے بعد پھر کوتاہی اور سستی کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ قرآن وحدیث میں اِس فریضہ کی بہت زیادہ اہمیت اور تاکید وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر وقت (رمضان اور غیر رمضان) نماز کا پابند بنائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴿۱۰۳﴾﴾ (النساء)

''یقیناً نماز مؤمنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے۔''

دن رات میں کل ۱۷ رکعتیں ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہیں: فجر کی ۲ رکعت' ظہر کی ۴ رکعت' عصر کی ۴ رکعت' مغرب کی ۳ رکعت اور عشاء کی ۴ رکعت۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلَاتُهُ، فَاِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَاَنْجَحَ ،وَاِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ))

(رواه الترمذی وابن ماجه والنسائی و ابوداؤد)

''قیامت کے دن آدمی کے اعمال میں سب سے پہلے فرض نماز کا حساب لیا جائے گا۔ اگر نماز درست ہوئی تو وہ کامیاب وکامران ہوگا اور اگر نماز درست نہ ہوئی تو وہ ناکام اور خسارہ میں ہوگا۔''

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

''اللہ تعالیٰ نے بندوں پر پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں' جو اِن نمازوں کو اس طرح لے کر آئے کہ ان میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی ہو تو حق تعالیٰ شانہ کا عہد ہے کہ اس کو جنت میں ضرور داخل فرمائے گا۔ اور جو شخص ایسا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد اس سے نہیں' چاہے اس کو عذاب دے' چاہے جنت میں داخل کر دے''۔ (موطا مالک' ابن ماجہ' ابوداؤد' مسند احمد)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وصیت یہ ارشاد فرمائی: نماز' نماز ...... (یعنی نماز کا اہتمام کرو)۔ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

زبانِ مبارک سے پورے لفظ نہیں نکل رہے تھے۔ (مسند احمد)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو یہ حکم جاری فرمایا: ''میرے نزدیک تمہارے امور میں سب سے زیادہ اہمیت نماز کی ہے۔ جس نے نماز کی پابندی کر کے اس کی حفاظت کی اس نے پورے دین کی حفاظت کی۔ اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ نماز کے علاوہ دین کے دیگر ارکان کو زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔'' (موطا مالک)

نمازِ وتر کی پابندی

حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ اَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ، جَعَلَهُ اللّٰهُ لَكُمْ فِيْمَا بَيْنَ الصَّلَاةِ الْعِشَاءِ اِلٰى اَنْ يَطْلُعَ الْفَجْرُ))(رواه الترمذی و ابوداؤد)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک ایسی نماز کا اضافہ کیا ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے اور وہ وتر کی نماز ہے' جس کا وقت عشاء کی نماز سے طلوعِ فجر تک ہے۔''

حدیث کی تقریباً ہر مشہور ومعروف کتاب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتِ مسلمہ کو نمازِ وتر پڑھنے کا امر (حکم) موجود ہے جو عموماً وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمیں بعد نمازِ عشاء یا اذانِ فجر سے قبل وتر پڑھنے کی پابندی کرنی چاہیے۔ احادیث کی روشنی میں امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے کہ نمازِ وتر کی وقت پر ادائیگی نہ کرنے پر دوسرے دن طلوعِ آفتاب کے بعد کسی بھی وقت قضا کر لینی چاہیے۔

سنن مؤکدہ کا اہتمام

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ صَلّٰى فِيْ يَوْمٍ وَ لَيْلَةٍ اِثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيْضَةٍ بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ)) (رواه مسلم واحمد)

''جس شخص نے دن اور رات میں بارہ رکعتیں (فرض کے علاوہ) پڑھیں' اُس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیا گیا۔''

ترمذی میں یہ حدیث وضاحت کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص دن رات میں مندرجہ ذیل بارہ رکعتیں پڑھے گا اُس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا: ۴ ظہر سے پہلے' ۲ ظہر کے بعد' ۲ مغرب کے بعد' ۲ عشاء کے بعد

اور ۲ فجر سے پہلے‘‘۔ ان سنن مؤکدہ کے علاوہ دیگر سنن غیر مؤکدہ‘ نماز تہجد‘ نماز اشراق‘ نماز چاشت‘ تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کا بھی اہتمام فرمائیں۔

قرآن کی تلاوت کا اہتمام

تلاوتِ قرآن کا روزانہ اہتمام کریں اور اس کا باقاعدہ نصاب مقرر کریں۔ صحابہ کرام ؓ میں سے اکثر کا معمول سات روز میں قرآن مکمل کرنے کا تھا۔ ہمیں ایک پارہ روزانہ کی تلاوت تو ضرور کرنی چاہیے۔ علماءِ کرام کی سرپرستی میں قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کریں۔ قرآن کریم میں وارد احکام و مسائل کو سمجھ کر اُن پر عمل کریں اور دوسروں کو پہنچائیں۔ یہ میری‘ آپ کی اور ہر شخص کی ذمہ داری ہے۔ اگر ہم قرآن کریم کے معنی و مفہوم نہیں سمجھ پا رہے ہیں تب بھی ہمیں تلاوت کرنی چاہیے کیونکہ قرآن کی تلاوت بھی مطلوب ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’جو شخص ایک حرف قرآن کریم کا پڑھے اس کے لیے اس حرف کے عوض ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس نیکی کے برابر ملتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے‘ بلکہ الف ایک حرف‘ لام ایک حرف اور میم ایک حرف۔‘‘ (ترمذی)

حلال رزق پر اکتفا

حرام رزق کے تمام وسائل سے بچ کر صرف حلال رزق پر اکتفا کریں خواہ مقدار میں بظاہر کم ہی کیوں نہ ہو‘ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ’’کل قیامت کے دن کسی انسان کا قدم اللہ تعالیٰ کے سامنے سے ہٹ نہیں سکتا یہاں تک کہ وہ پانچ سوالوں کے جواب دے دے......‘‘ ان پانچ سوالات میں سے دو سوال مال کے متعلق ہیں کہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ صرف حلال وسائل پر ہی اکتفا کرے‘ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’حرام مال سے جسم کی بڑھوتری نہ کرو‘ کیونکہ اس سے بہتر آگ ہے‘‘۔ (ترمذی)

اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’وہ انسان جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہو‘ ایسے شخص کا ٹھکانہ جہنم ہے‘‘۔ (مسند احمد) نیز نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ حرام کھانے‘ پینے اور حرام پہننے والوں کی دعائیں کہاں سے قبول ہوں؟ (صحیح مسلم)

عصرِ حاضر میں بعض ناجائز چیزیں مختلف ناموں سے رائج ہوگئی ہے‘ ان سے بچنا چاہیے

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’حلال واضح ہے‘ حرام بھی واضح ہے‘ اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں‘ جن کو بہت سارے لوگ نہیں جانتے۔ جس شخص نے شبہ والی چیزوں سے اپنے آپ کو بچا لیا اُس نے اپنے دین اور عزت کی حفاظت کی۔ اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں پڑے گا وہ حرام چیزوں میں پڑ جائے گا‘ اُس چرواہے کی طرح جو دوسرے کی چراگاہ کے قریب بکریاں چراتا ہے‘ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ چرواہے کی تھوڑی سی غفلت کی وجہ سے وہ بکریاں دوسرے کی چراگاہ سے کچھ کھالیں۔‘‘ (بخاری و مسلم)

بچوں کی دینی تعلیم و تربیت

ہماری یہ کوشش و فکر ہونی چاہیے کہ ہماری اولاد اہم وضروری مسائل شرعیہ سے واقف ہو کر دنیوی زندگی گزارے اور اخروی امتحان میں کامیاب ہو جائے‘ کیونکہ اخروی امتحان میں ناکامی کی صورت میں انجام دردناک عذاب ہے‘ جس کی تلافی مرنے کے بعد ممکن نہیں ہے۔ مرنے کے بعد آنسوؤں کے سمندر بلکہ خون کے آنسو بہانے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یاد رکھیں کہ اگر ہم اخروی زندگی کو سامنے رکھ کر دنیوی زندگی گزاریں گے تو ہمارا بچوں کی تعلیم میں مشغول ہونا‘ ان کی تعلیم پر پیسہ خرچ کرنا اور ہر عمل دنیا و آخرت دونوں جہاں کی کامیابی دلانے والا بنے گا‘ ان شاء اللہ۔ لیکن آج عصری تعلیم کو اس قدر فوقیت واہمیت دی جارہی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو بالغ ہونے کے باوجود نماز وروزہ کا اہتمام نہیں کرایا جاتا‘ کیونکہ ان کو اسکول جانا ہے‘ ہوم ورک کرنا ہے‘ پراجیکٹ تیار کرنا ہے‘ امتحانات کی تیاری کرنی ہے‘ وغیرہ وغیرہ۔ یعنی دنیوی زندگی کی تعلیم کے لیے ہر طرح کی جان و مال اور وقت کی قربانی دینا آسان ہے‘ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے۔

ٹی وی اور انٹرنیٹ کے غلط استعمال سے دوری

معاشرہ کی بے شمار برائیاں ٹی وی اور انٹرنیٹ کے غلط استعمال سے پھیل رہی ہیں‘ لہٰذا فحاشی وعریانیت و بے حیائی پر مبنی پروگرام دیکھنے سے اپنے آپ کو بھی دور رکھیں اور اپنی اولاد اور گھر والوں کی خاص نگرانی رکھیں‘ تاکہ یہ جدید وسائل آپ کے ماتحتوں کی آخرت میں ناکامی کا سبب نہ بنیں‘ کیونکہ آپ سے ماتحتوں کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا۔ (باقی صفحہ 58 پر)

قرآنِ حکیم اور ہم عصر اقوام

مولانا عصمت اللہ

اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں ہر قوم کے پاس پیغمبر بھیجے ہیں۔ از روئے قرآن حکیم: ﴿لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷﴾ (الرعد) ’’ہر قوم کے لیے ایک پیغام رساں تھا‘‘۔ ان پیغمبروں کو اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لیے اللہ تعالیٰ نے معجزات عطا کیے تھے جنہیں وہ قوم کے مطالبہ پر پیش کرتے۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ جب انسانیت کی اصلاح کے لیے منتخب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ایسا معجزہ عطا فرمایا جو سارے انبیاء و رسل علیہم السلام بلکہ خود آپ ﷺ کے باقی معجزات میں سب سے بڑا معجزہ ہے‘ کیونکہ یہ علمی معجزہ ہے جبکہ دوسرے معجزات عملی تھے۔ جس طرح علم عمل سے بہتر اور مقدم ہے اسی طرح علمی معجزہ عملی معجزے سے بہتر اور مقدم ہے اور وہ معجزہ قرآن ہے۔ قرآن حکیم مختلف وجوہات کے لحاظ سے معجزہ ہے‘ لیکن یہاں اعجازِ قرآنی کے صرف ان پہلوؤں کو واضح کرنا مطلوب ہے جن کو قرآن نے ان اقوام کے سامنے پیش کیا جن سے آپ ﷺ کا واسطہ پڑا تھا۔

ان میں سب سے پہلا واسطہ قریش سے پڑا۔ آپ ﷺ سے قریش کی دشمنی اور مخالفت سے سب واقف ہیں۔ قریش نے آپ ﷺ کو ناکام بنانے کے لیے ہر ممکن ذریعہ اختیار کیا۔ جان‘ مال‘ طاقت اور سفارتی اثر و رسوخ کے علاوہ لالچ دینے سے بھی دریغ نہ کیا۔ لیکن ایک بظاہر آسان کام انہوں نے نہیں کیا‘ جبکہ اس کے بعد کسی بھی چیز کی ضرورت باقی نہ رہ جاتی۔ قرآن کریم نے قریش کو اس کام کی طرف بار بار توجہ دلائی‘ غیرت دلائی اور خطرناک انجام کی دھمکی دی اور اس کام کو آسان بنانے کے لیے ان کو آزادی دی۔ لیکن چار دفعہ چیلنج کر سکنے کے باوجود یہ کام نہ کر سکنے کا مطلب ہے کہ یہ کام ان کے بس سے باہر تھا۔ وہ کام یہ تھا کہ قریش سمیت پوری عرب قوم کو قرآن نے چیلنج دیا کہ اگر تم یہ دعویٰ دل سے کرتے ہو کہ قرآن اللہ کا

نہیں بلکہ کسی انسان کا کلام ہے تو اس طرح کا قرآن تم بھی بنا لاؤ۔ اگر مکمل قرآن نہیں بنا سکتے تو صرف دس سورتیں ہی سہی‘ اور اگر یہ بھی مشکل ہے تو صرف ایک سورۃ کافی ہے اور وہ بھی بڑی نہیں بلکہ سب سے چھوٹی سورۃ یعنی سورۃ الکوثر جیسی ایک سورۃ ہی بنا لاؤ۔ اور اس ضمن میں اللہ کے سوا جس سے بھی تم کو مدد کی امید ہو اس سے بے شک جتنی چاہو مدد لے لو۔ لیکن ان سب آسانیوں کے باوجود تم یہ کام ہرگز نہیں کر سکتے۔ اب متعلقہ آیاتِ قرآنی ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۳ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝۳۴﴾ (الطور)

’’کیا وہ کہتے ہیں کہ رسول نے اس قرآن کو خود بنایا ہے؟ نہیں‘ بلکہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو اس طرح کی بات بنا کے لے آئیں۔‘‘

(۲) ﴿قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝۸۸﴾ (بنی اسراء یل)

’’آپ ان سے کہہ دیجیے اگر تمام انسان اور جنات اکٹھے ہو جائیں تاکہ قرآن کی مانند کتاب لے آئیں تو بھی نہیں لا سکتے اگرچہ سب کے سب ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں۔‘‘

(۳) ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۳ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۴﴾ (هود)

’’کیا یہ کہتے ہیں کہ رسول نے قرآن کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تم اس طرح کی دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور مدد کے لیے اللہ کے سوا جس کو بھی بلا سکتے ہو بلا لو اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ پھر اگر وہ تمہاری اس بات کو قبول نہ کریں تو تم یقین سے جان لو کہ یہ قرآن اللہ کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس کیا تم مسلمان ہوتے ہو؟‘‘

(٤) ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَاۗءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۲۳ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ښ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝۲۴﴾ (البقرۃ)

’’اور اگر تمہیں شک ہے اس کتاب کے بارے میں جسے ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو

تم ایک سورۃ اس طرح کی لے آؤ اور مدد کے لیے اپنے دوستوں کو بھی بلا لو سوائے اللہ کے‘ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ پس اگر تم یہ کام نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں کر سکتے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں‘ تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے۔‘‘

مذکورہ بالا چار آیات میں اہلِ عرب کو چیلنج کر دیا گیا‘ لیکن اسے قبول نہ کیا گیا۔ ان کو اپنی زبان اور اس کی وسعت‘ فصاحت اور بلاغت پر بہت غرور تھا‘ دوسری اقوام کو عجم یعنی گونگے کہتے تھے۔ اس کے باوجود جب قرآن کی چھوٹی سی سورۃ الکوثر کعبہ شریف میں آویزاں کی گئی تو وہاں پہلے سے موجود سات قصیدے جنہیں ’’سبع معلقات‘‘ کہتے تھے سب کے سب اتار لیے گئے‘ کیونکہ سورۃ الکوثر کے مقابلے میں قصیدے والوں نے اپنی شکست تسلیم کی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ان ذرائع سے شکست دینے کی کوشش کی جو بظاہر تو بہت مشقت طلب تھے لیکن ان کے لیے قرآن کی مثل بنانے سے سوگنا آسان تھے‘ کیونکہ وہ یہ سارے کام کر سکتے تھے لیکن قرآن کا چیلنج قبول نہیں کر سکتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن ایک عظیم معجزہ ہے‘ کیونکہ معجزہ اسی کو کہتے ہیں جسے اللہ کے سوا کوئی بھی نہ کر سکتا ہو۔ قرآن نے قریش اور عرب کو ان علوم کا چیلنج نہیں دیا تھا جو قرآن میں ہیں بلکہ صرف اور صرف اسلوب کا چیلنج دیا تھا جس کا تعلق صرف الفاظ سے ہے۔

اہلِ یہود

قریش کے بعد مسلمانوں کے بدترین دشمن وہ یہودی قبائل تھے جو مدینہ منورہ اور خیبر میں آباد تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو ناکام کرنے کے لیے انہوں نے کیا کیا کوششیں کیں اور ان کے نتیجہ میں خود ان کا انجام کیا ہوا‘ اس کے مختصر احوال کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

یہودیوں کی دشمنی کے ثبوت کے لیے قرآن کی آیت ملاحظہ ہو:

﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا ۚ﴾

(المائدۃ:۸۲)

’’یقیناً آپ مسلمانوں کے بدترین دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے۔‘‘

یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف طرح طرح سازشیں کیں۔ قرآن نے ان کو چیلنج کرتے ہوئے ایک آسان راستہ اختیار کرنے کی دعوت دی تھی‘ مگر انہوں نے اسے ترک کر

کے جو دیگر ذرائع اختیار کیے سارے ناکام ہوئے‘ بلکہ ان کا اپنا انجام بھی عبرت کا نشان بن گیا۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے: بنوقینقاع‘ بنونضیر اور بنوقریظہ۔

(۱) بنوقینقاع مسلم دشمنی کی وجہ سے انتہائی پست اخلاق کا مظاہرہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے شرارتاً ایک مسلمان خاتون کو برہنہ کر دیا‘ جو اُن کے اور مسلمانوں کے درمیان جھگڑے کا باعث بنا اور آخر کار اس پورے قبیلے کو وہاں سے نکل جانے کا حکم ملا اور وہ مدینہ سے نقل مکانی کر کے شام چلے گئے۔

(۲) بنونضیر نے نبی اکرم ﷺ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور حضور ﷺ کی تشریف آوری پر انہوں نے آپ ﷺ کے قتل کی سازش کی۔ اس پر مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر کے آخر کار مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا اور وہ خیبر میں جا کر مقیم ہو گئے۔

(۳) بنوقریظہ نے جنگ خندق کے موقع پر نقض عہد کر کے بنونضیر کے نمائندوں کے بہکاوے میں آ کر مسلمانوں کے خلاف حملہ آوروں کا ساتھ دیا اور اہل اسلام کے دفاعی منصوبوں کو ناکام بنانے کی کوشش کی‘ مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بچا لیا۔ جنگ کے اختتام پر رسول اللہ ﷺ کے حکم پر مسلمانوں نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا جو کم و بیش پچیس روز جاری رہا۔ جب ان پر قابو پا لیا گیا تو حضور ﷺ نے نرمی برتتے ہوئے ان سے کہا کہ وہ اپنے جرم کی سزا کا فیصلہ کرنے کے لیے خود ہی جج منتخب کر لیں۔ بنوقریظہ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم (ثالث) تسلیم کر لیا کہ وہ جو فیصلہ ہماری بابت دیں گے ہمیں منظور ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے تورات کے مطابق یہ فیصلہ دیا کہ ان میں سے لڑنے والے لوگوں کو قتل اور بچوں‘ عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کا مال مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس فیصلہ کے مطابق تقریباً چار سو افراد کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد بنوقریظہ شام کی طرف چلے گئے۔

خیبر یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ مدینہ سے نکالے گئے بنونضیر بھی وہیں آباد ہو چکے تھے اور مسلمانوں کے خلاف پورے حجاز کے عربوں کو یکجا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آخر کار اہل مکہ نے بنوسلیم‘ غطفان وغیرہ قبائل اکٹھے کرنے کے علاوہ کئی دوسرے قبائل کے اجرتی فوجیوں کی مدد سے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو منظم کر لیا اور مدینہ منورہ میں آباد یہودیوں کے قبیلہ بنوقریظہ کو بھی ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے اور خندق کی جنگ

اسی کے نتیجہ میں ہوئی۔ بعد میں بھی اس قسم کی سازشوں میں مصروف رہے۔ اس لیے صلح حدیبیہ کے بعد حضور ﷺ نے پندرہ سو مجاہدین کے ساتھ خیبر کی طرف پیش قدمی کی۔ مسلمانوں نے یہودیوں کے بیس ہزار افراد پر مشتمل فوج کو چند ہفتوں میں شکست دے کر خیبر پر قبضہ کر لیا۔

مذکورہ بالا سطور سے معلوم ہوا کہ یہودیوں نے مسلمانوں کو ناکام کرنے کے لیے کتنا جانی مالی اور جائیداد کا نقصان اٹھایا۔ لیکن قرآن نے ان کو مسلمانوں کی شکست کا آسان طریقہ بتایا تھا۔ اگر اس پر عمل کرتے تو مذکورہ مشقتوں کے بغیر ان کی کامیابی اور مسلمانوں کی ناکامی یقینی تھی۔ یہود کا دعویٰ تھا کہ جنت تو ہمارے لیے ہے اور ہم دوزخ میں نہیں جائیں گے‘ اگر کہیں گئے بھی تو چند دن کے لیے۔ قرآن کریم نے یہ دعویٰ اس طرح رد کیا کہ اگر تمہیں اپنی بات پر یقین ہے تو ایک دفعہ موت کی خواہش ظاہر کرو۔ الفاظ یہ ہیں:

﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ﴾ (البقرۃ:۸۰)

’’اور انہوں نے کہا کہ ہمیں آگ نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن۔‘‘

جواب میں کہا گیا:

﴿قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۹۴ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۹۵﴾ (البقرۃ)

’’آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے لیے ہے اللہ کے یہاں دوسروں کے علاوہ تو موت کی تمنا کرو اگر اپنی بات میں سچے ہو۔ اور یہ لوگ ہرگز کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے (ان اعمال کی سزا کے خوف سے) جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں۔ اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔‘‘

دوسرا دعویٰ یہ کیا کہ:

﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ﴾ (المائدۃ:۱۸)

’’ہم اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں۔‘‘

یہ بات واضح ہے کہ کوئی بھی اپنی اولاد اور محبوب لوگوں کو آرام کی جگہ میں رکھے گا اور ایسی جگہ جنت ہے۔ سورۃ الجمعہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو چیلنج کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۷﴾

’’آپ کہہ دیجیے کہ اے وہ لوگو جنہوں نے یہودیت اختیار کی ہے‘ اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو دوسرے لوگوں کے سوا تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔ اور یہ لوگ کبھی بھی اس کی تمنا نہیں کریں گے ان اعمال (کی سزا کے خوف) کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں۔ اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔‘‘

قرآن کریم کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے ہر قبیلہ سے سو پچاس یا دس یا صرف ایک ایک آدمی آتا اور ایک جلسہ عام میں آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے کہ یا اللہ ہم اس دنیا کی تکالیف سے بیزار آ گئے ہیں‘ اب ہمیں موت دے دے تاکہ ہم جنت میں چلے جائیں۔ اس طرح وہ کامیاب اور مسلمان ناکام ٹھہرتے۔ نہ جانوں سے محروم ہوتے نہ ہی مال اور جائیدادوں سے۔ لیکن اس مختصر راستہ کو چھوڑ کر کٹھن اور لمبا راستہ اختیار کیا جس میں کامیابی کے امکانات شروع میں بھی یقینی نہیں تھے۔ وجہ یہ ہے کہ اس مختصر راستہ میں ان کو اپنی ہلاکت یقینی نظر آ رہی تھی اور ان کو یقین تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

عیسائی

تیسری قوم عیسائی تھے جن سے مسلمانوں کا واسطہ تھا اور یہ بھی مسلمانوں کے دشمن تھے۔ بصریٰ کے حاکم شرحبیل بن عمرو الغسانی نے رسول اللہ ﷺ کے سفیر حارث بن عمیر الازدی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا جس نے حضور ﷺ کا نامہ مبارک حاکم بصریٰ کو دیا تھا۔ غزوۂ موتہ اسی کے نتیجے میں واقع ہوا۔ ان کی اسلام دشمنی غزوۂ تبوک کا سبب بنی۔ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد غزوۂ یرموک اور مسلسل معرکہ آرائی ان کی اسلام دشمنی کا ثبوت ہے۔ ان معرکوں میں ان کے ہزارہا آدمی قتل ہوئے اور غلام بن گئے۔ ان کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ بہت بڑے بڑے علاقوں سے بے دخل ہوئے۔ یہاں تک کہ ایشیا اور افریقہ پر مشتمل عظیم سلطنت روما سکڑ کر قسطنطنیہ تک محدود ہو گئی‘ بلکہ یورپ میں بھی سپین ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ لیکن قرآن نے ان کو ایک آسان راستہ بتایا۔ مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے اس کو اختیار کرنے سے فیصلہ ایک دن میں ہو جاتا‘ لیکن انہوں نے آسان راستہ ترک کر کے دشوار گزار

اور پرخار راستہ اپنایا۔ اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے۔

عیسائیوں میں مذہب کے لحاظ سے سب سے منظّم نجران کے عیسائی تھے اور وہ اپنے مذہب کی تبلیغ بھی کرتے تھے۔ اس مقصد سے کہ حضورﷺ کو عیسائی مذہب کی طرف مائل کریں اور عیسائیوں کے عقائد آپ کو سمجھائیں‘ انہوں نے ایک وفد نجران سے اپنے بڑے پادری اور اس کے نائب کی قیادت میں مدینہ منورہ بھیجا اور مدینہ آ کر انہوں نے حضورﷺ سے مسجد نبوی میں بہت طویل بحث مباحثہ کیا‘ یعنی باقاعدہ مناظرہ ہوا۔ حضورﷺ نے ان کو ایسے مدلل جوابات دیے کہ جن سے وہ خاموش ہو گئے‘ لیکن انہوں نے اسلام کی حقانیت اور عیسائیت کی منسوخیت تسلیم نہیں کی۔ اس پر حضورﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مذکورہ وفد سے کہا کہ آئیں ہم اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے درمیان فیصلہ کرے اور ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہو اُس پر اُس کے خاندان پر اور اس کے بچوں پر اپنا عذاب نازل کرے۔ از روئے قرآن:

﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَي الْكٰذِبِيْنَ ۝۶۱﴾ (آل عمران)

’’پھر جو شخص آپ کے پاس اس علم کے آ جانے کے بعد بھی آپ سے اس میں جھگڑے تو آپ ان سے کہہ دیجیے کہ آؤ (ذرا میدان میں) ہم بلالیں اپنے بیٹے تم بلالو اپنے بیٹے‘ ہم بلالیں اپنی عورتیں تم بلالو اپنی عورتیں اور اپنی اپنی جانوں سے دونوں شریک رہیں‘ پھر مل کر عاجزی سے التجا کریں اللہ کے حضور میں اور لعنت بھیجیں ان پر جو جھوٹے ہیں۔‘‘

حضورﷺ کی اس بات پر عیسائی وفد نے غور کے لیے وقت مانگا۔ پھر اکیلے میں مشورہ کیا اور آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ اللہ کے رسولﷺ کی بددعا ہمیں دونوں جہانوں میں تباہ و برباد کر کے رکھ دے گی۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ محمدﷺ سے صلح کر لی جائے۔ چنانچہ انہوں نے رضاکارانہ طور پر مسلم حکومت کی برتری تسلیم کر لی اور حضورﷺ کے ساتھ تحریری معاہدہ کر لیا۔ اگر یہ وفد قرآن کو دل سے برحق نہ سمجھتا تو مباہلہ کرتے جس میں ان کو مسلمانوں کی ناکامی اور اپنی کامیابی کا یقین ہوتا۔ نتیجہ میں وہ لڑائیاں بھی نہ ہوتیں‘ ان کی جان و مال اور حکومت بھی نہ جاتی۔ ان کے مذکورہ طرزِ عمل سے یہی ثابت ہوجاتا ہے کہ قرآن کریم کی حقانیت اور مباہلہ کی صورت میں اپنی ہلاکت پر ان کو مکمل یقین تھا۔

منافقین

ایک گروہ جو مسلمانوں کی جان و مال کا دشمن تھا اور مسلمانوں کے لیے آستین کے سانپ کی حیثیت رکھتا تھا‘ وہ منافقین تھے۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے‘ یہاں تک کہ ذہنی اذیت و پریشانی پیدا کرنے کا کوئی موقع بھی ضائع نہیں کرتے تھے۔ حضورﷺ کی پیاری بیوی حضرت عائشہؓ پر بہتان لگانا ان کے بغض ونفرت کے ثبوت کے طور پر کافی ہے۔ لیکن وہ اپنی مکروہ حرکات میں کامیابی حاصل نہیں کر سکے‘ بلکہ اپنی کرتوتوں کی وجہ سے انہیں ہر وقت ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور ہر وقت پریشان رہتے تھے‘ اس خیال سے کہ کہیں مسلمانوں کو ہماری کسی شرارت کا پتہ نہ چلے۔ قرآن کریم نے ان کی یہ کیفیت اس طرح بیان کی ہے: ﴿يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ﴾ (المنفقون:٤) ’’وہ لوگ ہر آواز کے بارے میں خیال کرتے کہ ان ہی پر ہے۔‘‘ اور جو دشمن مدینہ پر حملہ آور ہوتا یہ لوگ اپنے تعاون کا اس کو یقین دلاتے۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے بنونضیر کا محاصرہ کیا جو تقریباً پچیس دن تک جاری رہا تو اس دوران یہ منافقین ان کو لڑنے اور مقاومت جاری رکھنے پر آمادہ کرنے کے لیے اپنے پیغامات خفیہ طور پر بھیجتے اور یقین دلاتے کہ ہماری طرف سے ہر قسم کا تعاون حاضر ہے۔ اگر لڑائی ہوتو ہم تمہارا ساتھ دیں گے اور اگر تمہیں یہاں سے نکل جانا پڑا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے‘ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیات کے ذریعے مسلمانوں کو یہ ساری باتیں بتائیں اور انتہائی اعتماد کے ساتھ دعویٰ کیا کہ منافقین کے سارے وعدے جھوٹے ہیں‘ نہ بنونضیر کی حمایت میں مسلمانوں کے ساتھ لڑیں گے اور نہ ہی ان کے ساتھ نقل مکانی کر کے وطن چھوڑیں گے۔ چنانچہ قرآن کریم کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور جتنے وعدے منافقین نے بنونضیر کے ساتھ کیے تھے ان میں سے ایک کو بھی پورا نہیں کیا۔ اگر منافقین سب کے سب یا ان میں سے بعض اپنا ایک وعدہ بھی پورا کرتے تو یہ ان کی جیت اور قرآن و اسلام کی ہار تھی۔ لیکن وہ یہ کام نہ کر سکے۔ اس بارے میں ارشادِ ربانی اس طرح ہے:

(باقی صفحہ 98 پر)

رائی بھر ایمان

(اقوامِ متحدہ کی طرف سے بھیجے گئے متنازعہ بل کے حوالے سے خصوصی تحریر)

مسز بینا حسین خالدی☆

دس سالہ میراں‘ آٹھ سالہ صغریٰ‘ گیارہ سالہ بنگلہ دیشی لڑکی حلیمہ‘ سگریٹ کے کش لیتی ہوئی چودہ سالہ حمیرا‘ میرے پردۂ یادداشت پر آج بھی اپنے چہروں کے تاثرات اور حرکات و سکنات کے ساتھ محفوظ ہیں۔ میں جب بھی کسی نابالغ یا نوعمر بچی کے ساتھ جنسی زیادتی اور قتل کی خبر پڑھتی یا سنتی ہوں تو دارالامان اور زنانہ جیلوں میں ملنے والی وہ تمام لڑکیاں مجھے یاد آنے لگتی ہیں جو مختلف طریقوں سے معاشرے کے جبر کا شکار ہو کر وہاں پہنچی تھیں۔ ان سب کا تعلق قبائلی پہاڑی اور میدانی علاقوں سے تھا۔ ان میں سے کوئی خریدی اور بیچی گئی تھی تو کوئی رسم ورواج کے نام پر اپنے سے دُگنی تگنی عمر کے آدمی سے بیاہ دی گئی تھی‘ کوئی وٹّہ سٹّہ کی بھینٹ چڑھائی گئی تو کوئی پیٹ کا جہنم بھرنے کے لیے گیارہ بارہ سال کی عمر ہی میں قحبہ گری کے لیے بازار میں لائی گئی تھی۔ نکاح‘ طلاق‘ عدت‘ زنا بالرضا‘ زِنا بالجبر‘ گناہ وثواب‘ برائی و بے حیائی کے مفہوم سے قطعی نابلد یہ بچیاں پورے اسلامی معاشرے کے لیے ایک سوالیہ نشان ہیں۔ جاہلی قبائلی معاشرے کے جبر نے انہیں خریدی‘ بیچی جانے والی شے بنا دیا ہے۔ جسم بیچ کر روٹی کمانا ان کی زندگی کا مقصد ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ ظلم کس نے کیا؟

بچپن ہی سے حیا اور پاکیزگی کے تصور سے انہیں ناآشنا رکھا گیا تو آج ان کی حالت یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ ذلت‘ ذلت نہیں ہے۔ قحبہ گری ان کے نزدیک نہ بدکاری ہے نہ فحاشی‘ اور نہ ہی یہ اس کو اپنے لیے کوئی گناہ جانتی ہیں۔ کیونکہ اس برائی کو بحیثیت برائی کبھی کسی نے ان کے سامنے متعارف ہی نہیں کروایا تو پھر وہ اسے بحیثیت برائی کیسے شناخت کر سکتی ہیں؟ ان کے

☆ایڈووکیٹ‘ صادق آباد

سپاٹ چہروں پر ندامت کی کوئی لہر نہیں اُبھرتی۔ جب آپ ان سے پوچھیں کہ تم اس غلیظ دھندے میں کیسے پھنس گئی ہو؟ تو وہ اجنبی نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھیں گی جیسے کچھ سمجھ نہ پائی ہوں۔ ہم لوگ بچپن سے سنتے پڑھتے آئے ہیں کہ حیا اور شرم عورت کی فطرت کا حصہ ہیں —— تو پھر ان لڑکیوں کی فطرت کو کیا ہوا؟

شیطانِ لعین نے اللہ ربّ العزت کو اپنے منصوبوں سے آگاہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ’’میں انسانوں کو بہکاؤں گا یہاں تک کہ وہ خدائی ساخت (یعنی فطرت) میں‘ میرے حکم سے تبدیلی کریں گے‘‘۔ خدائی ساخت یا فطرت میں تبدیلی کے کئی طریقے ہیں‘ جن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز جس مقصد کے لیے پیدا کی ہے اس مقصد کے برخلاف اسے کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرنا۔ عورتوں یا لڑکیوں کے ’’رحمِ مادر‘‘ اللہ تعالیٰ نے جس مقصد کے لیے تخلیق فرمائے تھے‘ اس مقصد کے پورا کرنے سے انہیں جبراً روکنا اور انتہائی گھٹیا اور مکروہ مقاصد کے لیے استعمال کرنے پر عورت یا لڑکی کو مجبور کر دینا خدائی ساخت میں تبدیلی کی بدترین مثال ہے۔

زنا خواہ بالرضا ہو یا بالجبر‘ دونوں ہی صورتوں میں بدترین گناہ اور فطری حیا کے خلاف انتہائی مکروہ اور گھناؤنا فعل ہے۔ مختلف صورتوں میں اس فعل پر آمادہ کرنے کے لیے عورت یا لڑکی کی رضامندی بالجبر لی جاتی ہے اور نابالغ بچیوں کو تو یہ بھی معلوم نہیں ہو پاتا کہ وہ کس گھناؤنے مقصد کے لیے استعمال کی جا رہی ہیں۔ قبائلی معاشروں میں رسوم ورواج کے طور پر وٹہ سٹہ‘ ونی‘ اور رقم کے بدلے میں نکاح کر دینا عورتوں یا بچیوں کے جبر واستحصال کی مثالیں ہیں۔ کلچر کی سرپرستی میں یہ گھناؤنی رسمیں صدیوں سے بلا روک ٹوک چلی آ رہی ہیں اور آج پاکستان میں اس کلچر کی جڑیں اتنی گہری ہو چکی ہیں کہ مقنّنہ‘ عدلیہ‘ انتظامیہ اور قانون نافذ کرنے والے ادارے ان کے آگے بے بس ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہ ہمارے معاشرے کے وہ تلخ حقائق ہیں جنہیں اگر مزید کھول کر بیان کیا جائے تو بے شمار اندوہناک کہانیاں منظر عام پر آ جائیں گی۔ مختصر یہ کہ نوعمر بچیوں کی خرید وفروخت‘ گداگری کی آڑ میں قحبہ گری‘ مختلف جرائم میں ان کا استعمال کیا جانا‘ بنگلہ دیشی بچیوں اور عورتوں کی خرید وفروخت کے مراکز‘ یہ سب کچھ ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ چائلڈ لیبر اور Child Abuse میں کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ آج بھی بہت

سے جاہلی قبیلوں میں کسی بچی کے شادی کے قابل ہو جانے کا جو معیار انہوں نے بنایا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ایک بچی جب پانی سے بھرا ہوا مٹکا اپنے پہلو پر اٹھا کر چلنے کے قابل ہو جائے تو سمجھو کہ وہ شادی کے قابل ہو چکی ہے۔ کم عمری میں شادی پر پابندی کے قانون کی موجودگی کے باوجود یہ رواج ختم نہیں ہو سکا ہے۔ ’’پیٹ لکھنا‘‘ یعنی بچی کی پیدائش سے پہلے جب کہ وہ ابھی ماں کے پیٹ ہی میں ہوتی ہے‘ اس کا رشتہ طے کر دیا جاتا ہے۔ عام طور پر وٹے سٹے کی شادی میں اس طرح کے رشتے طے کیے جاتے ہیں کہ اگر ایک شخص اپنی بہن بیٹی کا رشتہ کرتا ہے تو وہ بدلے میں اپنے لیے یا اپنے بیٹے کے لیے رشتہ ضرور لے گا۔ اگر اس کے لیے کوئی بالغ عورت وٹے میں دینے کے لیے موجود نہیں تو بدلے میں وہ بچی نام لکھ دی جاتی ہے جو ابھی رحم مادر میں پل رہی ہوتی ہے۔ اسی طرح کارو کاری کے واقعات میں مجرم یا ملزم پر قبائلی جرگہ جو جرمانہ عائد کرتا ہے وہ یا تو رقم کی صورت میں ہوتا ہے یا پھر جرمانے کے طور پر ملزم کی بہن یا بیٹی خواہ اس کی عمر کچھ بھی ہو‘ جرمانے کے طور پر دے دی جاتی ہے۔

عورتوں اور بچیوں کے متعلق یہ تمام جاہلانہ رسومات اور جرائم معاشرے میں موجود ہوس پرستوں کو ہوس کی تسکین کے نئے راستے دکھانے والے محرکات ثابت ہوتے ہیں۔ جہاں میڈیا معاشرے میں شہوانیت کے عنصر کو ابھارنے والا ثابت ہو رہا ہے‘ وہاں متذکرہ بالا یہ تمام رویے بھی بدکاروں کو یہ دعوت دینے والے ثابت ہو سکتے ہیں کہ جب رسوم و رواج کے نام پر بچیوں کی خرید و فروخت یا ان کی مرضی کے بغیر نکاح کر دیے جا سکتے ہیں تو وہی بچیاں زنا بالجبر کے لیے آسان شکار کیوں نہیں بن سکتیں؟ بہرحال بچیوں کے ساتھ زیادتی اور قتل جیسے گھناؤنے واقعات کے پیچھے محرکات و اسباب کچھ بھی ہوں‘ اس کی زیادہ تر ذمہ داری عورت سے متعلق معاشرتی رویوں پر ہی عائد ہوتی ہے۔ ایک طرف قدیم جہالت ہے تو دوسری طرف جدید جہالت —— اور یہ دونوں جہالتیں ہی عورت کو ایک جنس کے طور پر پیش کرتی ہیں۔

ستم بالائے ستم کہ اس وقت طاغوتی طاقتیں عورت اور مرد کی فطری خدائی ساخت میں تبدیلی کے لیے ایک مضبوط جال بچھا چکی ہیں —— اور یہ سب کچھ ایک دم نہیں ہوا‘ بلکہ ایک منصوبے کے تحت نوجوان نسل کے لیے تعلیمی اداروں اور تعلیمی نصاب میں تبدیلیاں کی گئیں جو ان کو جنسی عوامل کی طرف راغب کرنے والی تھیں۔ پھر میڈیا کے ذریعے شہوانیت کے عنصر کو

مزید بھڑکایا گیا۔ پھر مخلوط تعلیمی ادارے طبقہ اشرافیہ کی بگڑی ہوئی نوجوان نسل کے لیے بدمستیوں کے مواقع فراہم کرنے والے مراکز بنا دیے گئے۔ پھر ایسے شعبے اور آسامیاں پیدا کی گئیں جو مادر پدر آزاد نوجوان نسل کو زیادہ سے زیادہ اپنے اندر کھپا سکیں۔ پھر ایسی رسومات ہمارے معاشرے میں داخل کی گئیں جو زنا کو دلکش بنا کر پیش کرتی ہیں۔ ویلنٹائن ڈے کے نام پر بدکاروں اور زانیوں کا دن منایا جانے لگا۔ پھر جب عدلیہ نے اس طوفانِ بدتمیزی میں مداخلت کی تو اقوام متحدہ نے یہ بل بھیج دیا کہ زنا بالرضا کو قانون سے ماوراو مستثنیٰ قرار دے دیا جائے تاکہ زنا بالرضا یہاں کا کلچر بن جائے اور آئندہ عدالتوں کو اس میں مداخلت یا روک ٹوک کرنے کا کوئی اختیار ہی باقی نہ رہے۔ یہ بل نہ صرف ان تمام رسوم و رواج کو legitimize کر دینے (قانونی حیثیت دینے) والا ہے جو عورتوں کی عزتِ نفس‘ وقار اور حیثیت کو کچل کر اس کی ہستی کو مٹا دینے اور اس کی فطرت کو مسخ کر دینے والے ہیں‘ بلکہ یہ تو ان مجرموں کی سرپرستی کے لیے بھی بھیجا گیا ہے جو نوعمر بچیوں کو قحبہ گری کے گھناؤنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اس مقصد کے لیے لڑکی یا عورت کی رضا‘ بالجبر حاصل کرتے ہیں۔

تنظیم اقوام متحدہ نے اپنی دانست میں یہ بل بھیج کر ہم سے خیر خواہی کا ثبوت دیا ہے۔

گویا اس بل کے ذریعے وہ ہم سے یہ کہنا چاہتی ہے کہ جب تم زنا بالرضا کو روکنے میں ناکام ہو چکے ہو اور بارڈر ملٹری پولیس اور قانون نافذ کرنے والے ادارے قحبہ گری کے نیٹ ورکس کے اثر و رسوخ کے آگے نہیں ٹھہر سکتے تو پھر بھلا خواہ مخواہ ان دھندوں کو غیر قانونی قرار دے کر عدالتی ریکارڈ خراب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس طرح تو پاکستان کی اور زیادہ بدنامی ہو گی۔ سیاست دانوں کی کرپشن اور دہشت گردی کے حوالے سے تو پہلے ہی یہ ملک بہت بدنام ہو چکا ہے اور اب زانیوں کو پکڑ پکڑ کر جیلوں میں بھر دو گے تو یہ ملک زانیوں کا ملک کہلایا جانے لگے گا۔ ارے میاں کچھ تو اپنی عزت کا خیال کرو‘ کچھ عقل کے ناخن لو اور ہمارے اس بل کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قانون کا حصہ بنا کر دنیا بھر میں اپنی رہی سہی عزت کے بچانے کا انتظام کرو۔ برائی کو برائی کے طور پر شناخت کرتے رہنے سے تو اپنی ہی بدنامی ہو گی‘ لہٰذا اپنے ملک کے قانون سے اس برائی کو اور اس کے خلاف دی جانے والی سزا کی دفعات ہی کو مٹا ڈالو کہ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری!

اقوامِ متحدہ کے یہ ''خیرخواہانہ پند ونصائح'' ہمارے لیے دعوتِ فکر ہیں کہ برائی سے آگاہ ہونا بھی کسی عذاب سے کم نہیں ہے۔ برائی یا فحاشی کے ادراک سے سوائے ذہنی اذیت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا جب کہ برائی پھلتی پھولتی رہتی ہے۔ ذرا ٹھہریے! مایوس ہونے سے پہلے سولہ‘ اٹھارہ‘ صدیاں پیچھے جا کر دیکھئے۔ کیا کہا آپ نے! پیچھے جانا فرسودگی اور قدامت پرستی ہے‘ ہمیں آگے دیکھنا چاہیے؟ جی نہیں! مستقبل کی تعمیر ہمیشہ ماضی پر ہوتی ہے‘ لہٰذا ہمیں پیچھے ہی دیکھنا ہوگا‘ کیونکہ فحاشی وعریانی ایک قدیم ترین کلچر ہے۔ اُس وقت بھی زنا کو برائی کے طور پر شناخت نہیں کیا جاتا تھا جب ایک فاحشہ کا دل جیتنے کے لیے ایک قوم کے سرداروں نے حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کر دیا تھا یا شاید اس سے بھی پہلے جب دیوتاؤں کے نزدیک زنا کرنے کو متبرّک مانا جاتا تھا۔ آج اقوامِ متحدہ کی تنظیم بھی ہم سے یہی چاہتی ہے کہ زنا کو اپنے معاشرے میں برائی کی حیثیت سے شناخت کرنا چھوڑ دو تاکہ آئندہ اور موجودہ نئی نسلوں کی فطرت سے حیا کا عنصر ختم ہو سکے اور ان کی کیفیت بھی اول الذکر حلیمہ‘ حضوراں‘ حمیرا جیسی ہو جائے جو زنا بالجبر اور زنا بالرضا کے مفہوم سے قطعی نابلد ہیں۔

برائی کو برائی جاننا اور اپنے دل میں اس کے لیے ناگواری یا کراہت محسوس کرنا‘ ایک مؤمن کے دل میں ایمان کی موجودگی کی علامت ہے‘ خواہ یہ ایمان رائی کے دانے کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ نبی رحمت حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ ''جس نے برائی کے خلاف تلوار سے جہاد کیا وہ بریٴ الذمہ ہوا‘ جس نے قلم اور زبان سے برائی کے خلاف جہاد کیا وہ بھی بریٴ الذمہ ہوا اور جس نے (طاقت نہ ہونے کی وجہ سے تلوار‘ قلم اور زبان سے اس برائی کے خلاف جہاد نہ کیا بلکہ) صرف دل میں اسے برا جانا تو یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں ہے''۔ گویا اس حدیث مبارکہ کے مطابق برائی کو محض دل سے برا جاننا اور اس پر کراہت محسوس کرنا ایمان کا وہ کمزور ترین درجہ ہوسکتا ہے جسے رائی کے دانے کے برابر ایمان کہا جاسکتا ہے۔

مختلف احادیث سے ہمیں روزِ جزا کے جو حالات معلوم ہوتے ہیں ان میں ایک اہم بات یہ بھی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی محترم حضرت محمد ﷺ کو شفاعتِ کُبریٰ کا حق عطا فرمانے کی وجہ سے آپؐ کے اُمتیوں کو جہنم میں داخلے کے بعد اس سے نجات کی صورت بھی پیدا فرمائیں گے

اور حکم ہوگا کہ اے محمدؐ! آپ کے جو امتی جہنم میں ہیں ان میں سے ان امتیوں کو جہنم سے باہر نکال لائیں جن کے دل میں ذرہ برابر یا رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان موجود ہو۔ اول الذکر حدیث مبارکہ کے مطابق برائی کو برا جاننا رائی بھر ایمان کی علامت ہے۔

اب شیطان اور اس کی مددگار طاغوتی طاقتیں حالیہ موضوعِ بحث بل کے ذریعے یہ چاہتی ہیں کہ زنا جیسے کبیرہ گناہ کو برائی کی حیثیت سے شناخت کرنا چھوڑ دیا جائے تاکہ اگر کسی دل میں رائی بھر ایمان ہو تو وہ بھی ختم ہو جائے اور جہنم ان لوگوں سے بھری جائے جو نبی برحق حضرت محمد ﷺ کے اُمتی ہوں اور ان کے دل میں رائی برابر ایمان بھی باقی نہ ہو اور یہ اُمتی ان جہنمیوں میں سے ہو جائیں جن کے بارے میں قرآن بار بار فرماتا ہے: ﴿هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔'' اور دنیا میں بھی ایک پاکیزہ اسلامی معاشرے کی تشکیل کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے۔

مغربی یورپی معاشرے جنسی بے راہ روی کی تازہ مثالیں ہیں جہاں زنا بالرضا کو جرم یا برائی کی حیثیت سے نہیں جانا جاتا تھا‘ اس کے باوجود امریکی جیلیں زنا بالجبر کے مجرموں سے بھری ہوئی ہیں۔ وہاں عورتوں اور مَردوں کے آزادانہ اختلاط پر کوئی پابندی نہیں تھی اس کے باوجود وہاں ہر سال ہزاروں کی تعداد میں زنا بالجبر کے جرائم ریکارڈ ہوتے ہیں۔ یورپ کے عظیم مفکر‘ دانشور اور فلاسفر رچرڈ بیل نے عرصہ پہلے یورپی معاشرے کے زوال کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''یورپ شدید اضمحلال کی دہلیز پر ہے‘ شاندار ماتھے کے پیچھے شدید ذہنی دباؤ‘ روحانی امراض‘ جنسی بے راہ روی‘ زنا بالجبر اور بڑھتے ہوئے جنسی امراض پوشیدہ ہیں۔ باہمی پیار اور ایک دوسرے پر اعتبار ہوا ہو چکے ہیں۔ یورپ کے سامنے ایک ہی انتخاب ہے: نجات کا واحد راستہ اور یہ راستہ محمد (ﷺ) کا دین ہے‘ دوسرا کوئی انتخاب ہے ہی نہیں۔''

جارج برنارڈ شا نے بھی اسی قسم کا اعتراف ان الفاظ میں کیا تھا:

> ''مجھے یقین ہے کہ اگر آج دنیا کی قیادت کرنے کے لیے محمد (ﷺ) آجائیں تو وہ تمام عالمی مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور ہم بالآخر خوشحالی اور اتفاق کی فضا میں زندگی بسر کر رہے ہوں گے۔''

قربان جائیے ہادیٔ برحق حضرت محمدﷺ پر کہ انہوں نے اپنی اسلامی تحریک اور انقلابی مہم کا آغاز ہی رسوم و رواج کے خاتمے سے فرمایا تھا۔ معاشرے کے کمزور طبقات بچوں‘ یتیموں‘ غلاموں اور عورتوں کے حقوق مقرر فرما کر ان کی عزتِ نفس کو بلند کیا اور عورتوں کی عزتِ نفس ایسی بلند ہوئی کہ ایک عورت جس سے زنا کا ارتکاب ہو گیا تھا‘ اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کر کے آپﷺ سے بار بار درخواست کرتی ہے کہ اے اللہ کے رسولؐ! مجھے پاک کیجیے۔ احساسِ گناہ‘ توبہ اور ندامت کے اظہار کا ایسا نظارہ زمین و آسمان نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور اس محبت کے حصول کی پہلی شرط ہی یہ ہے کہ مؤمنین کے قلوب برائی کو برائی جانتے ہوں۔ اس کا اعتراف کر کے توبہ اور رجوع الی اللہ کرتے ہوں۔ لیکن اگر اس کے برخلاف ایک اسلامی معاشرے میں ایسا ماحول پیدا کر دیا جائے اور ایسے فتنے اس میں داخل کر دیے جائیں جو ایک طرف تو انسان کی فطری خدائی ساخت میں بگاڑ پیدا کر کے اسے حیا کے زیور سے محروم کر دیں اور دوسری طرف شہوانیت کو بھڑکانے والے ذرائع و رسائل کو عام کر دیا جائے تو ایسا معاشرہ اسلامی تو درکنار انسانی معاشرہ کہلانے کے قابل بھی نہیں رہ جائے گا۔ پھر جب برائی کو روشن خیالی‘ جدیدیت اور آزادی کے طور پر جانا جائے تو فحاشی ایک عام روش بن جائے گی جس کو روکنے یا اس میں مداخلت کرنے کا عدالتوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کو بھی حق نہیں رہے گا اور اس سلسلے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آنے والی نئی نسل کے پاس تو ’’رائی بھر ایمان‘‘ بھی باقی نہ بچے گا۔

﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ کے مصداق یہی وہ فتنے ہیں جو قتل سے بھی زیادہ شدید تر مضرت رساں ہیں۔ اس آیت کی تشریح میں سید قطب شہیدؒ ’’فی ظلال القرآن‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’ایسے حالات پیدا کر دینا بھی فتنہ ہے جن میں لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہو۔ انہیں اللہ کے مقرر کردہ نظامِ زندگی سے گمراہ کرنا بھی فتنہ ہے۔ مسلمانوں کے لیے کفر کو مرغوب بنانا اور اسلام سے انہیں دور کرنا‘ ان کے اخلاق کو خراب کرنا یہ سب فتنے کی تعریف میں داخل ہے۔ اللہ ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ لوگوں کو ان کے دین سے نہ روکا جائے‘ قوت کے ذریعے یا قوت سے بھی زیادہ مؤثر ہتھیار (میڈیا) کے ذریعے یا معاشرتی حالات کے ذریعے لوگوں کو اسلام سے نہ پھیرا جائے۔ نیز یہ کہ اسلامی نظام کو وقعت حاصل ہو اور اس کا پلڑا بھاری ہو‘ اس کے دشمن ہیبت زدہ رہیں اور کسی کو جرأت نہ ہو کہ وہ دین

اسلام کے پیش کردہ نظام کے مقابلے میں کوئی دوسری بات پیش کر سکے۔‘‘

زنا بالرضا یا زنا بالجبر جیسی بدترین برائیوں کے خاتمے کے لیے معاشرے میں موجود دینی اصلاحی قوتوں‘ عدلیہ‘ قانون نافذ کرنے والے اداروں اور خود معاشرے کو مل کر ایک قوت بننا ہوگا تاکہ فتنوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ رسوم و رواج کے خاتمے کے لیے دعوت و تبلیغ کا دائرہ وسیع کیا جائے اور دور دراز علاقوں میں دینِ حق کے ظاہر اور باطن دونوں پہلو مکمل طور پر پہنچائے جائیں۔ عورتوں‘ بچیوں سے متعلق رسوم و رواج‘ نظریات اور رویے قرآن کے ذریعے تبدیل کرنے کا کام مشنری بنیادوں پر کیا جائے‘ کیونکہ برائی کی جڑ رسوم و رواج اور کلچر کی شکل میں ہمارے معاشرے کی بنیادوں میں موجود ہے اور محض حکومتوں کی تبدیلی اس مسئلے کا شافی حل نہیں ہے۔ زمامِ کار مؤمنین صالحین کے ہاتھوں میں اگر منتقل ہو بھی جائے اور رسوم و رواج کے خاتمے کے لیے قانون سازی بھی کر دی جائے تب بھی صدیوں سے رائج جہالت کا خاتمہ نہیں ہو سکتا‘ کیونکہ بہت سے قوانین برخلافِ رسوم و رواج ہمارے یہاں پہلے ہی موجود ہیں‘ لیکن جو جاہلی قبائلی معاشرے اپنے کلچر کو ریاستی قانون اور الٰہی قانون کے مقابلے میں فوقیت دیتے ہیں وہ ایمان اور اسلام سے بہت دور ہیں۔ اس طرح معاشرے کا ساٹھ فیصد طبقہ جو ایمان اور اسلام کے مفہوم سے ناآشنا ہے کس طرح ایک اسلامی انقلاب یا اسلامی پاکستان کا حامی ہو سکتا ہے؟ داعیانِ اسلام کو اس پر غور ضرور کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو! ❁❁

بقیہ: ماہِ رمضان کے بعد......

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (التحريم: ٦)

’’اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔‘‘

اللہ تعالیٰ مغفرت اور رحمت والے مہینہ میں کیے گئے ہمارے تمام اعمالِ صالحہ کو قبول فرما کر ہمارے لیے جہنم سے چھٹکارے کا فیصلہ فرمائے اور رمضان المبارک کے بعد بھی ہمیں اعمالِ صالحہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین‘ ثم آمین! ❁❁❁

صدقہ جاریہ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

دنیا کی زندگی موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے اور ہمیشہ رہنے والی زندگی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ دنیا دار العمل ہے اور مرنے کے بعد انسان دار الجزاء میں پہنچ جاتا ہے‘ جہاں اسے دنیا میں کیے گئے اعمال کی جزا ملے گی۔ اگر انسان کے اعمال اچھے ہوئے تو وہ کامیاب قرار پائے گا اور اس کا ٹھکانہ جنت ہوگا اور اگر اعمال برے ہوئے تو وہ ناکام قرار پائے گا اور سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔

دنیا کی زندگی امتحان گاہ ہے اور یہاں اچھے یا برے عمل کرنے کی آزادی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (الملک: ۲) ’’اُس نے موت اور زندگی کو تخلیق کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے‘‘۔ زندگی کا یہ وقفہ بہت قیمتی ہے‘ کیونکہ یہاں انسان کی آزمائش ہے کہ اچھے کام کرکے آتا ہے یا بُرے۔ انسان موت کے ساتھ ہی کوئی عمل کرنے کے قابل نہیں رہتا‘ کیونکہ اب وہ دار العمل سے نکل چکا ہوتا ہے اور وہ مجبور و بے بس ہے۔ جب وہ اگلی دنیا دیکھ لے گا تو اس کی خواہش ہوگی کہ اسے کچھ مہلت دی جائے تاکہ وہ اچھے کام کر لے‘ مگر ایسا ممکن نہ ہوگا۔ اب وہی عمل اس کے کام آئیں گے جو وہ کر چکا۔ البتہ انسان اپنی زندگی میں کچھ ایسے اچھے کام بھی کر جاتا ہے جن کا ثواب اُس کی موت کے بعد بھی اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا رہے گا۔ ایسے کاموں کو صدقہ جاریہ کہتے ہیں۔ یہ کام وہ ہیں جو دوسروں کے لیے مفید ہوں گے‘ لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں گے اور ثواب اس شخص کو ملے گا۔ یوں سمجھیے کہ یہ سارے کام بنی نوع انسان کے فائدے کے ہوں گے۔ مثلاً کوئی شخص اپنی جائز کمائی سے ہسپتال بنا جاتا ہے یا مدرسہ قائم کر جاتا ہے جس میں بچے قرآن پڑھتے اور اسلامی تعلیمات حاصل کرتے ہیں۔ اب ہزاروں لاکھوں بچے‘ جوان بوڑھے ان اداروں سے مستفید ہوں گے تو دوسروں کو فائدہ

پہنچانے کا یہ نیک کام جس نے کیا‘ اس کو ثواب ملتا رہے گا۔ اور جب تک یہ ادارے قائم رہیں گے‘ لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں گے اور بانی کو اس کا ثواب ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اعمال کا حساب کتاب اس وقت ہوگا جب یہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ اب نہ کوئی خود عمل کر سکے گا اور نہ ہی کسی کے کیے ہوئے نیک عمل سے فائدہ اٹھا سکے گا۔ اب اس کا نامۂ اعمال مکمل ہوگا اور حساب کے لیے تیار ہوگا۔

حساب کے دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا‘ کیونکہ کامیابی کے لیے اور عذاب سے بچنے کے لیے ہر کسی کو نیکیوں کی ضرورت ہوگی۔ نیکیاں نہ ہونے کی صورت میں سامنے عذاب نظر آ رہا ہوگا‘ لہٰذا یہ وہ دن ہوگا جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ: ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ یعنی کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ قرآن مجید میں اس دن کی کیفیت بایں طور بیان کی گئی ہے:

﴿یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ۝۳۴ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ ۝۳۵ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ۝۳۶﴾ (عبس)

’’اس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگ جائے گا‘ اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے‘ اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹے سے (بھاگ جائے گا)۔‘‘

اُس دن نفسا نفسی کا عالَم ہوگا اور ہر کسی کو اپنی فکر ہوگی۔ اس بے بسی کے وقت انسان کے لیے صدقہ جاریہ کے ذریعے پہنچنے والی نیکیاں بہت بڑی چیز ہوں گی۔ چنانچہ صدقہ جاریہ کے یہ کام آج کی زندگی میں بہت اہم ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’مؤمن کے مرنے کے بعد جن اعمال کا ثواب اس کو ملتا رہتا ہے‘ ان میں ایک تو علم ہے جو کسی کو سکھایا اور پھیلایا۔ دوسرا صالح اولاد ہے جس کو اپنے پیچھے چھوڑا۔ تیسرا قرآنِ کریم ہے جو میراث میں چھوڑ گیا۔ چوتھا مسجد ہے جو بنا گیا۔ پانچواں مسافر خانہ ہے جس کو اس نے تعمیر کیا۔ چھٹا نہر ہے جس کو اس نے جاری کیا۔ ساتواں وہ صدقہ ہے جس کو اپنی صحت اور زندگی میں اس طرح دے گیا ہو کہ مرنے کے بعد اس کا ثواب ملتا رہے۔‘‘ (سنن ابن ماجہ‘ عن ابی ہریرۃ ؓ)

صدقہ جاریہ کے اکثر کام مال خرچ کرنے سے ہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کہ کوئی شخص دنیاوی مال سے محبت نہ کرے‘ کیونکہ اکثر گناہوں کا سبب مال کی محبت ہوتی ہے۔ انفاقِ مال کا لازمی نفاذ تو زکوٰۃ کی صورت میں کر دیا گیا ہے‘ جس سے بقیہ مال پاک ہو جاتا ہے‘ لیکن

پسندیدہ یہ ہے کہ آدمی اپنی اور اہل وعیال کی ضروریات پوری کرنے کے بعد باقی مال فراخ دلی کے ساتھ رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرے۔ جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کتنا خرچ کریں تو وحی نے جواب دیا: ﴿قُلِ الْعَفْوَ﴾ یعنی ضرورت سے زائد خرچ کر دیں۔ اس خرچ کرنے کے مختلف انداز ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ بالا حدیث میں بیان فرمائے ہیں۔

ہر مسلمان پر ضروریاتِ دین کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔ پھر ضروری ہے کہ اس علم سے ناواقف لوگوں کو واقف کیا جائے تاکہ وہ بھی جان کر دین کے تقاضوں پر عمل کرنے والے بن جائیں۔ علم حاصل کرنا مگر اسے دوسروں تک نہ پہنچانا بخل ہے۔ جو شخص حاصل کردہ علم کو دوسروں تک نہیں پہنچاتا' اس کی مثال اس مالدار کی ہے جو اپنے مال کو جمع کرنے میں لگا ہو مگر ضرورت مندوں پر خرچ نہ کرتا ہو۔ جن لوگوں کو اچھے کاموں کی تعلیم دی جاتی ہے جب وہ اس پر عمل کریں گے تو خود بھی نفع اٹھائیں گے اور معلم کو بھی اس کا فائدہ پہنچے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ذکر واذکار کرنے والوں کی محفل میں بیٹھنے کی بجائے علم سیکھنے اور سکھانے والوں کے ساتھ بیٹھنے کو ترجیح دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عالم کو عابد پر اتنی فضیلت ہے جتنی مجھے تم میں سے عام لوگوں پر''۔ عابد عبادت کرتا ہے تو صرف اپنا فائدہ کرتا ہے مگر عالم کے علم سے ایک دنیا فیض یاب ہوتی ہے۔ اس طرح عالم کا رتبہ عابد سے کہیں بڑھ جاتا ہے۔

نیک اولاد بھی والدین کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ والدین نے اولاد کو دین سکھایا' دینی تعلیمات پر عامل بنایا تو یہ نیک اولاد زندگی بھر ماں باپ کے لیے ثواب کا ذریعہ بنے گی۔ ماں باپ نے قرآن پڑھایا اور ان کے بچے زندگی بھر قرآن پڑھیں گے تو اس کا ثواب والدین کو بھی ملے گا۔ جیسا کہ روزہ دار کو افطار کرانے والا ثواب حاصل کرتا ہے اور اس سے روزہ دار کا ثواب کم نہیں ہوتا' اسی طرح اپنی اولاد کو نیک کاموں پر لگانے والا بھی اجر پائے گا جب تک اس کی اولاد نیکیوں پر عمل کرتی رہے گی۔ پس والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو صرف دنیاوی تعلیم ہی نہ دیں' کیونکہ دنیاوی تعلیم کی ڈگریاں نہ اولاد کے کام آئیں گی نہ والدین کے۔ اگر والدین نے اپنی اولاد کی دنیا سنوارنے کی کوشش میں بے انتہا وسائل خرچ کر دیے تو کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اگر انہیں قرآن نہ سکھایا' نماز نہ سکھائی اور ضروریاتِ دین کا علم نہ سکھایا تو اولاد اعلیٰ تعلیم کے باوجود والدین کے لیے فائدہ مند نہ ہوئی' اگرچہ والدین نے بہت سا سرمایہ ان کی دنیاوی

تعلیم پر خرچ کر دیا۔

اگر کوئی شخص قرآن مجید کا نسخہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا اور کوئی اس کو پڑھتا رہا تو جب تک وہ نسخہ پڑھا جاتا رہا' چھوڑنے والے کو اس کا ثواب ملتا رہے گا خواہ وہ زندہ ہو یا فوت ہو گیا ہو۔ قرآن مجید مسجد میں رکھ دیا یا کسی ضرورت مند کو دے دیا یا کسی دینی مدرسے میں رکھ دیا جہاں طالب علم اسے پڑھتے رہیں گے تو اس کا ثواب متعلقہ شخص کو پہنچتا رہے گا۔ یہی معاملہ قرآن و حدیث کی تعلیمات پر مبنی کتابوں کا ہے کہ ان سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا رہے گا۔

مسجد خانہ خدا ہے۔ لوگ وہاں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے نماز ادا کرنے کے لیے جگہ فراہم کرنا' عمارت بنانا یا نمازیوں کے لیے دیگر سہولتیں میسّر کرنا بہت بڑا ثواب کا کام ہے۔ مسجد تعمیر کروانا یا مسجد کی تعمیر میں حصہ ڈالنا بھی بڑے اجر کا باعث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا''۔ مسجد میں قیامت تک لوگ نماز پڑھتے رہیں گے تو مسجد بنانے والا بھی ثواب پاتا رہے گا۔

مسافر خانہ بنانا بھی صدقہ جاریہ ہے۔ سڑک کے کنارے مسافروں کے لیے سایہ فراہم کرنا اور پینے کے پانی کا انتظام بہت بڑی نیکی ہے' جس میں کوئی ریاکاری نہیں۔ کہاں کہاں سے مسافر وہاں تھوڑی دیر آرام کے لیے ٹھہریں گے' پانی پئیں گے اور انتظام کرنے والے کو اس کا ثواب ملتا رہے گا۔ مسافروں کی خدمت اللہ کا حکم بھی ہے۔ مسافر سفر میں ضرورت مند ہوتے ہیں۔ مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے' جو اللہ کی مخلوق کو آرام مہیا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے۔ یہ مسافر خانہ جب تک قائم رہے گا' مسافروں کو سہولت ملتی رہے گی اور بنانے والے کو ثواب پہنچتا رہے گا' چاہے وہ زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو۔

جہاں ضرورت ہو وہاں پانی کا بندوبست کرنا بڑی نیکی ہے کہ وہاں سے انسان' حیوان اور چرند پرند پیاس بجھائیں گے۔ قبرستان میں نلکا لگوانا کہ وہاں قبرستان میں زیارت کے لیے یا جنازہ پڑھنے کے لیے آنے والوں کو پینے کے لیے یا وضو کے لیے پانی مل جائے' اسی طرح بھوکے کو کھانا کھلانا اور پیاسے کو پانی پلانا بھی بڑا اجر کا کام ہے۔

روایات میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک بدکار عورت کہیں جا رہی تھی' وہ پیاسی تھی' راستے میں اسے کنواں مل گیا' اس نے بدقت پانی نکالا اور پیاس بجھائی۔ دیکھا کہ پاس ہی ایک کُتّا تھا

جو پیاس سے ہانپ رہا تھا۔ اس عورت نے ترس کھایا کہ اس جانور کو بھی میری طرح پیاس لگی ہے اور تکلیف کر کے کنویں سے پانی نکال کر کُتّے کو پلایا۔ اس نیکی پر اس کی بخشش کر دی گئی۔

مال کی محبت ضرورت سے زیادہ ہو تو گناہوں کا سبب بنتی ہے۔ زکوٰۃ تو رکن اسلام ہے۔ قرآن میں نماز کا بکثرت ذکر ہے اور ساتھ ہی زکوٰۃ کا۔ زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے' اس کے علاوہ ضرورت مندوں پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔ سب سے اعلیٰ صدقہ تو وہ ہے جو کسی محتاج کو اُس وقت دیا جائے جبکہ خود بھی اس کی احتیاج ہو۔ یہ ایثار ہے۔ پھر ایک صدقہ وہ ہے جو زندگی سے مایوس بیمار اپنے مال سے دیتا ہے اور ایک صدقہ وہ ہے جو صحت مندی کی حالت میں ضرورت مندوں پر ترس کھا کر اللہ کی خاطر دیا جائے۔ یہ بہت عظیم صدقہ ہے جس کا مندرجہ بالا حدیث میں ذکر ہے۔ یہ صدقہ جس کی بھی ضرورت پوری کرے گا وہ خوش ہوگا۔ پھر جس طرح شکر کرنے سے اللہ تعالیٰ زیادہ دیتا ہے اسی طرح فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے روزی میں برکت ہوتی ہے۔ جس کو صدقہ وخیرات کرنے کا رجحان ہو وہ خوش نصیب ہے کہ خرچ کر کے ثواب بھی حاصل کرے گا اور اللہ کے وعدے کے مطابق اس کی آمدنی میں اضافہ بھی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ایسے بہت سے اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو کل ہمارے لیے صدقۂ جاریہ بنیں اور ہمارے نامۂ اعمال میں نیکیوں کے اندراج تا قیامت ہوتا رہے۔ آمین یا ربّ العالمین! ❁❁❁

خلافت کی حقیقت، تاریخی پس منظر، عہد حاضر میں اس کا ڈھانچہ اور اس کے قیام کے نبویؐ طریق پر مشتمل

خلافت کی حقیقت

اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت خاص 200 روپے، اشاعت عام 120 روپے

مولانا ابوالکلام آزادؒ

بحیثیت ماہرِ قرآنیات

عبدالرشید عراقی

مولانا ظفر علی خان فرماتے ہیں:

جہانِ اجتہاد میں سلف کی راہ گم ہو گئی
ہے تجھ کو اس میں جستجو تو پوچھ ابوالکلام سے

شورش کاشمیری مرحوم اپنی کتاب ’’ابوالکلام‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’میں نے مولانا ظفر علی خان سے اس شعر کے بارے میں سوال کیا: کیا آپ اسی طرح سمجھتے ہیں کہ مولانا ابوالکلام آزاد تفسیر قرآن میں اسلاف کے پیرو اور اس عہد کے مجتہد ہیں؟ فرمایا: بالکل‘ اللہ تعالیٰ نے قرآن فہمی کے باب میں انہیں خاص ملکہ عطا کیا ہے۔ وہ زمانۂ حاضر کی فکری تحریکوں کو بخوبی سمجھتے ہیں اور قرآن کو ہر زمانے کی پیچیدگیوں کا حل قرار دے کر انسانی معاشرے کو اس کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں۔ وہ قرآن کی ابدی دعوت پر نظامِ کائنات کی اساس رکھتے ہیں۔ ان پر بفضل ایزدی علم القرآن کے دروازے اس طرح کھلے ہیں کہ ان کے لیے کوئی سی راہ مسدود و منقطع نہیں۔ ان کی آواز قرآن کی آواز ہے۔‘‘(۱)

جہاں تک مولانا ابوالکلام آزاد کی ذات کا تعلق ہے تو وہ صحیح معنوں میں عبقری تھے۔ اقبال کے ’’دیدہ ور‘‘ تھے اور سید مودودی کے الفاظ میں ’’ایسے شریف انسان جو گالی کھانا جانتے تھے‘ گالی دینا نہیں‘‘۔ وہ کیا نہ تھے؟ عدیم المثال عالم یگانہ روزگار‘ ماہر قرآنیات‘ سحر نواز انشا پرداز‘ لاثانی صحافت نگار‘ بلند پایہ مفکر و مدبر‘ خطیب‘ مقرر‘ مبلغ‘ نامور ادیب اور صحافی‘ شاعر‘ اور جنگ آزادی کے میر کارواں‘ عالم بے بدل‘ مصنف اور بہت بڑے سیاست دان اور نثر نگار تھے۔ بقول مولانا حسرت موہانی ؎

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظم حسرت میں کچھ مزا نہ رہا!

مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبال ایک ہی دور کے مصلح و مفکر ہیں۔ قرآن کی دعوت دونوں کے پیغام کی روح ہے۔ ایک نثر میں قرآن کے معارف و حکم پیش کر رہا ہے اور دوسرا شعر و نظم میں روحِ قرآنی کو عام کر رہا ہے۔

مولانا ابوالکلام کی نثر قرآنی آیات سے مرصع ہے اور اقبال کا ہر شعر قرآن حکیم کا ترجمان نظر آتا ہے۔ دونوں کی نظر قرآن کریم پر وسیع اور گہری ہے‘ البتہ دونوں کے کلام سے یہ حقیقت واضح ہے کہ ’’ترجمان القرآن‘‘ کا مصنف (ابوالکلام) قرآنی علوم و فنون کے ہر گوشہ پر ماہرانہ نظر رکھتا ہے اور اس کی عملی زندگی بھی اپنے پیغام سے پوری طرح متاثر ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کو آیاتِ قرآنی کا اس قدر استحضار اور قرآن کریم کے گہرے معارف و حقائق کا اتنا علم و عرفان کس طرح حاصل ہوا‘ اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآنی دعوت

مولانا ابوالکلام آزاد نے ’’الہلال‘‘ اور ’’البلاغ‘‘ کے ذریعے قرآنی دعوت کا سلسلہ شروع کیا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

’’اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نوجوان مسلمانوں میں قرآن پاک کا ذوق مولانا ابوالکلام آزاد کے ’الہلال‘ اور ’البلاغ‘ نے پیدا کیا اور جس اسلوبِ بلاغت‘ کمال انشا پردازی اور زورِ تحریر کے ساتھ انہوں نے انگریزی خواں نوجوانوں کے سامنے قرآن پاک کی آیتوں کو پیش کیا‘ اس نے ان کے لیے ایمان و یقین کے نئے نئے دروازے کھول دیے اور ان کے دلوں میں قرآن پاک کے معانی و مطالب کی بلندی اور وسعت کو پوری طرح نمایاں کر دیا۔‘‘(۲)

مولانا ابوالکلام آزاد کا اسلوبِ بیان ادب کا بہترین مرقع ہے۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

’’مولانا ابوالکلام آزاد اپنی تحریر کو قرآنی آیتوں سے سنوار کر پیرایۂ بیان کو بلیغ اور مؤثر بناتے تھے۔ ان پر قرآن کی بلاغت کا اتنا اثر تھا کہ ان کا بس چلتا تو اس کی ساری

بلاغت اردو ادب میں منتقل کر دیتے‘ ان کا قلم آیاتِ قرآنی کے استعمال میں بے اختیار ہو جاتا اور روکے نہیں رکتا۔ اس زمانہ میں وہ چند سطروں کی بھی عبارت لکھتے تو اس کو قرآنی آیت سے ضرور مزین کرتے تھے اور اس خوبی کے ساتھ اردو عبارت میں ایسی پیوست ہو جاتی جیسے آگ کے شعلے میں حرارت اور روشنی۔ وہ کلام پاک کی آیتوں کا ترجمہ کرتے تھے تو اس میں بلاغت کی شان کا پورا لحاظ رکھتے۔ اور یہ زبان پر ان کی غیر معمولی قدرت کا ثبوت ہے۔‘‘(۳)

سید صباح الدین اپنے اسی مضمون میں لکھتے ہیں:

’’مولانا علوم قرآنی کے ماہر ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی فطرت اور نفسیات سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس لیے ان کو یہ اچھی طرح احساس تھا کہ وہ مذہب کے نام پر کوہِ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑ سکتے ہیں‘ اور مذہب ہی کی خاطر ایک متلاطم سمندر کی طرح ابل سکتے ہیں‘ اور مذہب ہی کے لیے اپنے کو ہلاکت میں ڈال سکتے ہیں۔ اسی لیے انگریزوں کے کنگرۂ فرعونیت کو متزلزل اور ان کے وقارِ نمرودیت کو پامال کرنے کے لیے انہوں نے قرآنی آیتوں اور مذہبی احکام کے ذریعہ صور پھونکا۔‘‘(۴)

ترجمان القرآن

مولانا ابوالکلام آزاد کی یہ تفسیر دو جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد سورۃ الفاتحہ سے سورۃ الانعام تک ہے۔ ۶۲۸ صفحات پر مشتمل یہ جلد ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی۔ ۵۴۴ صفحات پر مشتمل دوسری جلد ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی جو سورۃ الاعراف سے سورۃ المؤمنون تک ہے‘ یعنی پارہ ۱۸ کے نصف تک پہنچی ہے۔ تیسری جلد (سورۃ النور تا سورۃ النّاس) مکمل ہوگئی لیکن طبع نہیں ہوسکی۔(۵)

پروفیسر کاظم علی خان لکھتے ہیں:

’’مولانا ابوالکلام آزاد کے ادبی آثار میں ’ترجمان القرآن‘ نہ صرف اپنی ضخامت کے اعتبار سے بلکہ اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے بھی ایک یادگار اور سدا بہار کارنامہ ہے۔ اس کی تحریر میں آزاد نے جس قدر کدوکاوش کی ہے یا جتنا وقت صرف کیا ہے وہ ان کی دوسری کسی بھی کتاب پر صرف نہیں ہوا ہے۔ ترجمان القرآن کی تحریر کی داستان اپنے دامن میں جن انبار در انبار مشکلات کی حامل ہے‘ ان کا بیان خود ایک طویل مقالے کا عنوان بن سکتا ہے۔ ’ترجمان القرآن‘ وہ آئینہ ہے جس میں مولانا آزاد کی دینی و علمی سرگرمیوں کا پرتو پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر نظر آتا ہے۔‘‘(۶)

’’ترجمان القرآن‘‘ کے بارے میں خود مولانا آزاد کا بیان ہے کہ:

’’کامل ۲۷ برس سے قرآن میرے شب و روز کے فکر و نظر کا موضوع رہا ہے۔ اس کی ایک ایک سورۃ‘ ایک ایک مقام‘ ایک ایک آیت‘ ایک ایک لفظ پر میں نے وادیاں قطع کی ہیں اور مرحلوں پر مرحلے طے کیے ہیں۔ تفسیر و کتب کا جتنا مطبوعہ و غیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے‘ میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کا بڑا حصہ میری نظر سے گزر چکا ہے‘ اور علوم قرآن کے مباحث و مقالات کا کوئی گوشہ نہیں‘ جس کی طرف حتی الوسع ذہن نے تغافل اور جستجو نے تساہل کیا ہو۔ اس تمام عرصے کی جستجو و طلب کے بعد قرآن کریم جیسا کچھ اور جتنا کچھ سمجھ چکا ہوں‘ میں نے اس کتاب کے صفحوں پر پھیلا دیا ہے۔‘‘(۷)

تفسیر الفاتحہ

مولانا ابوالکلام فرماتے ہیں:

’’قرآن کریم کی یہ سب سے پہلی سورت ہے۔ اس لیے ’فاتحۃ الکتاب‘‘ کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ قرآن کریم کی تمام سورتوں میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ قرآن میں ایک جگہ اس کا ذکر ’سبعًا من المثانی‘‘ کے الفاظ سے کیا گیا ہے‘ یعنی سات دہرائی جانے والی چیزیں۔ احادیث و آثار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ’’سات دہرائی جانے والی چیزوں‘‘ سے مقصود یہی سورت ہے‘ کیونکہ یہ سات آیتوں کا مجموعہ ہے اور ہمیشہ نماز میں دہرائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورت کو ’سبع المثانی‘‘ بھی کہتے ہیں۔‘‘(۸)

سورۃ الفاتحہ کی تفسیر مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت کا بے مثال کارنامہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور توحید و ایمان باللہ پر علم و تحقیق‘ معرفت و محبت کے جو اسرار و حکم پورے شرح و بسط کے ساتھ اس حصہ میں بیان کیے گئے ہیں‘ متقدمین اور متاخرین کی کتابوں میں یہ سارے معارفِ توحید یک جا نظر نہیں آتے۔ مولانا غلام رسول مہر فرماتے ہیں:

’’فاتحہ کے مطالب سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی تمام سورتوں میں دینِ حق کے جو مقاصدِ بیان کیے گئے ہیں‘ اس سورۃ میں بہ شکل اجمال بیان کیا گیا ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی نادان اور اَن پڑھ ہو‘ لیکن ان سات چھوٹی چھوٹی آیتوں کو یاد کر لینا اور ان کا سیدھا سادا مطلب ذہن میں بٹھا لینا اس کے لیے کوئی دشوار نہیں ہوسکتا۔ اگر وہ اس سے زیادہ قرآن نہ پڑھ سکا جب بھی اس نے دینِ حق کا بنیادی سبق لے لیا۔‘‘(۹)

فاتحہ کی تعلیمی روح

سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کے آخر میں مولانا ابوالکلام نے مختصر الفاظ میں فاتحہ کی تعلیمی روح پیش کی ہے۔فرماتے ہیں:

''سورۂ فاتحہ ایک دعا ہے۔فرض کرو' ایک انسان کے دل وزبان سے شب وروز یہی دعا نکلتی رہتی ہے' اس صورت میں اس کے فکر واعتقاد کا کیا حال ہوگا؟ وہ خدا کی حمد وثنا میں زمزمہ سنج ہے' لیکن اُس خدا کی حمد میں نہیں جو نسلوں' قوموں اور مذہبی گروہ بندیوں کا خدا ہے' بلکہ ربّ العالمین کی حمد میں جو تمام کائناتِ خلقت کا پروردگار ہے۔ پھر وہ اُسے اس کی صفتوں کے ساتھ پکارنا چاہتا ہے' لیکن اس کی تمام صفتوں میں سے صرف رحمت اور عدالت ہی کی صفتیں اسے یاد آتی ہیں۔ گویا خدا کی ہستی کی نمود اس کے لیے سرتاسر رحمت وعدالت کی نمود ہے' اور جو کچھ بھی اس کی نسبت جانتا ہے وہ رحمت وعدالت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پھر وہ اپنا سرِنیاز جھکاتا اور اس کی عبودیت کا اقرار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے' صرف تیری ہی ایک ذات ہے جس کے آگے بندگی و نیاز کا سر جھک سکتا ہے' اور صرف تو ہی ہے جو ہماری ساری درماندگیوں اور احتیاجوں میں مددگاری کا سہارا ہے......اب کسی چوکھٹ پر اُس کا سر جھک نہیں سکتا۔اب کسی قوت سے وہ ہراساں نہیں ہوسکتا۔اب کسی کے آگے اس کا دستِ طلب دراز نہیں ہوسکتا۔

پھر وہ خدا سے سیدھی راہ چلنے کی توفیق طلب کرتا ہے۔ یہی ایک مدعا ہے جس سے زبانِ احتیاج آشنا ہوتی ہے۔لیکن کون سی سیدھی راہ؟ کسی خاص نسل کی سیدھی راہ؟ کسی خاص قوم کی سیدھی راہ؟ کسی خاص مذہبی حلقے کی سیدھی راہ؟ نہیں' وہ راہ جو دنیا کے تمام مذہبی رہنماؤں اور تمام راست باز انسانوں کی متفقہ راہ ہے' خواہ کسی عہد اور کسی قوم میں ہوئے ہوں۔اسی طرح وہ محرومی اور گمراہی کی راہوں سے پناہ مانگتا ہے' لیکن یہاں بھی کسی خاص نسل وقوم یا کسی خاص مذہبی گروہ کا ذکر نہیں کرتا' بلکہ ان راہوں سے بچنا چاہتا ہے جو دنیا کے تمام محروم اور گمراہ انسانوں کی رہ چکی ہیں۔ گویا جس بات کا طلب گار ہے وہ بھی نوعِ انسانی کی عالمگیر اچھائی ہے' اور جس بات سے پناہ مانگتا ہے وہ بھی نوعِ انسانی کی عالمگیر برائی ہے......

غور کرو' مذہبی تصور کی یہ نوعیت انسان کے ذہن وعواطف کے لیے کس طرح کا سانچا مہیا کرتی ہے؟ جس انسان کا دل ودماغ ایسے سانچے میں ڈھل کر نکلے گا تو وہ کس قسم کا انسان ہوگا؟ کم ازکم دو باتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے۔ایک یہ کہ اس کی خدا پرستی

خدا کی عالمگیر رحمت وجمال کے تصور کی خدا پرستی ہوگی۔ دوسری یہ کہ کسی معنی میں بھی وہ نسل وقوم یا گروہ بندیوں کا انسان نہیں ہوگا' عالمگیر انسانیت کا انسان ہوگا' اور دعوتِ قرآنی کی اصلی روح یہی ہے!''(۱۰)

ترجمان القرآن کے تشریحی نوٹ

مولانا ابوالکلام آزاد نے ''ترجمان القرآن'' میں آیاتِ قرآنی کی وضاحت کے لیے تشریحی نوٹ لکھے ہیں جو عربی تفسیروں میں مشہور ومتداول ہیں۔ بقول مولانا غلام رسول مہر:

''سورت کے مطالب کی رفتار کے ساتھ ساتھ برابر چلتے جاتے ہیں اور جہاں کہیں ضرورت دیکھتے ہیں مزید راہنمائی کے لیے نمودار ہو جاتے ہیں۔ یہ قدم قدم پر مطالب کی تفسیر کرتے ہیں' اجمال کو تفصیل کا رنگ دیتے ہیں' مقاصد ووجوہ سے پردے اٹھاتے ہیں' دلائل وشواہد کی روشنی میں لاتے ہیں' احکام ونواہی کو مرتب ومنضبط کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ مختصر لفظوں میں زیادہ سے زیادہ معانی ومعارف کا سرمایہ فراہم کرتے جاتے ہیں۔''(۱۱)

تقویٰ کی تشریح

سورۃ البقرۃ کے آغاز میں تقویٰ کی تشریح میں مولانا فرماتے ہیں:

''زندگی کی تمام باتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ دو طرح کے انسان پائے جاتے ہیں۔ بعض طبیعتیں محتاط ہوتی ہیں' بعض بے پروا ہوتی ہیں۔ جن کی طبیعت محتاط ہوتی ہے وہ ہر بات میں سمجھ بوجھ کر قدم اٹھاتے ہیں۔ اچھے برے' نفع نقصان' نشیب وفراز کا خیال رکھتے ہیں۔ جس بات میں برائی پاتے ہیں' چھوڑ دیتے ہیں' جس میں اچھائی دیکھتے ہیں' اختیار کر لیتے ہیں۔ برخلاف اس کے' جو لوگ بے پروا ہوتے ہیں' ان کی طبیعتیں بے لگام اور چھوٹ ہوتی ہیں' جو راہ دکھائی دے گی' چل پڑیں گے' جس کام کا خیال آ جائے گا' کر بیٹھیں گے......اچھائی' برائی' نفع' نقصان' دلیل اور توجیہہ کسی بات کی بھی انہیں پروا نہیں ہوتی۔

جس حالت کو ہم نے یہاں ''احتیاط'' سے تعبیر کیا ہے' اسی کو قرآن ''تقویٰ'' سے تعبیر کرتا ہے۔''متقی'' یعنی ایسا آدمی جو اپنے فکر وعمل میں بے پروا نہیں ہوتا' ہر بات کو درستگی کے ساتھ سمجھنے اور کرنے کی کھٹک رکھتا ہے' برائی اور نقصان سے بچنا چاہتا ہے اور اچھائی اور فائدہ کی جستجو رکھتا ہے۔ قرآن کہتا ہے: ایسے ہی لوگ تعلیم حق سے

فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور کامیاب ہو سکتے ہیں!''(۱۲)

مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت

مولانا ابوالکلام آزاد ایک فرد کا نام ہی نہیں بلکہ ہندو پاکستان کی گزشتہ نصف صدی کی تہذیبی و ثقافتی، علمی و ادبی اور مذہبی و سیاسی تاریخ بھی ہے۔ اس انسانی پیکر میں علم و فضل کی ایک دنیا آباد تھی۔ ان کی ہمہ گیر شخصیت علم و کمال کی ان تمام بلندیوں سے آشنا تھی جو کسی بھی انسان کے لیے سرمایہ افتخار ہو سکتی ہیں۔ ان کی تحریر و تقریر کے جادو نے نہ صرف یہ کہ علم و ادب کی دنیا کو ہم پایہ آسمان کر دیا' بلکہ برصغیر ہندو پاکستان کے عوام کو سامراجی حکومت کے مظالم کے خلاف آواز بلند کرنے کی ہمت بھی دلائی۔ وہ ایک قد آور انشا پرداز اور بلند خیال مفکّر کی حیثیت سے اپنی مثال آپ ہیں اور ایک مقام پر نظر آتے ہیں جہاں وہ تنہا ہیں اور ان کا کوئی حریف نہیں۔ (مشفق خواجہ)(۱۳)

حواشی

(۱) ابوالکلام' از شورش کاشمیری' ص ۴۸۳

(۲) معارف اعظم گڑھ' اکتوبر ۱۹۳۲ء

(۳) مولانا ابوالکلام آزاد' ابوسلمان شاہجہانپوری' ص ۱۴۷

(۴) ایضاً' ص ۱۷۷

(۵) باقیات ترجمان القرآن از مولانا غلام رسول مہر' ص ۱۴

(۶) مولانا ابوالکلام آزاد' خلیق انجم' ص ۳۱۸

(۷) ترجمان القرآن' دیباچہ' جلد اول

(۸) ترجمان القرآن' جلد اول' ص ۲۷

(۹) ابوالکلام آزاد از افضل حق قریشی' ص ۴۵۵

(۱۰) ترجمان القرآن' جلد اول' ص ۲۲۳' ۲۲۴

(۱۱) ابوالکلام آزاد' افضل حق قریشی' ص ۴۸۷

(۱۲) ترجمان القرآن' جلد اول ص ۳۰۷' ۳۰۸

(۱۳) مولانا ابوالکلام آزاد' ابوسلمان شاہجہانپوری

❁❁❁

موجودہ انتخابی نظام میں چُناؤ
کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ

ڈاکٹر نجیب الحق ☆

چند دن قبل وطن عزیز میں انتخابی عمل کا آغاز ہوتے ہی مختلف سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے امیدواران کی طرف سے صوبائی اور قومی حلقوں کے لیے کاغذاتِ نامزدگی داخل کیے گئے۔ اس کے ساتھ ہی تقریباً ہر جماعت کے ناراض کارکنوں کی ایک نمایاں تعداد نے پارٹی ٹکٹ نہ ملنے پر عَلمِ بغاوت بلند کیا۔ افسوس اس بات کا ہوا کہ کئی مذہبی جماعتوں کے افراد نے بھی ٹکٹ نہ ملنے پر پارٹی امیدواروں کے مقابلے میں آزاد حیثیت سے الیکشن لڑنے یا کسی دوسری پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا۔ اس سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ ان افراد کا بنیادی مقصد ہی پارٹی کے زینے کو استعمال کر کے اقتدار کی کرسی تک رسائی حاصل کرنا تھا۔ عمومی طور پر تو سیاسی پارٹیوں کی طرف سے الیکشن میں حصہ لینے کا مقصد ہی اقتدار کا حصول ہوتا ہے اور اس کے لیے امیدوار لاکھوں اور کروڑوں روپے خرچ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے‘ کیوں کہ اس ’’تجارت‘‘ میں بالآخر وہ مشیر یا وزیر بن کر یا کسی اور طریقے سے بطور ممبر ہی کاروبار میں لگائے گئے اصل زر لوٹانے سمیت ’’منافع‘‘ کی توقع بھی رکھتے ہیں اور اس کے لیے منصوبے بناتے ہیں۔ شاید بہت ہی کم لوگ ایسے ہوں گے جن کی سیاست کا مطمحِ نظر کوئی اعلیٰ مقصد یا عوامی بھلائی ہوگا۔

انتخابی سیاست کے ذریعے حقیقی اسلامی نظام کا نفاذ تو دور کی بات ہے کہ اس کا تصور بھی آج ذہنوں سے غائب ہو رہا ہے۔ ماضی قریب میں ہم اپنے وزراء کی بنیادی اسلامی تعلیمات سے لاعلمی بلکہ محض قرآن کی تلاوت کے بارے میں ان کی استعداد کا افسوسناک نظارہ کئی مرتبہ

☆ ڈین پشاور میڈیکل کالج‘ خیبر پختونخوا‘ پاکستان

ٹیلی ویژن سکرینوں پر کر چکے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ مذہبی جماعتیں بھی تربیت میں کوتاہی کی وجہ سے اپنے ارکان کو دین کا صحیح اور جامع تصور دینے میں کامیاب نہیں ہو پائیں۔ ایسے میں اس بات کو سمجھنا اور بھی اہم ہو گیا ہے کہ اسلام‘ حکومت کے حصول کو ضروری سمجھتے ہوئے عہدے کی طلب کو کس نظر سے دیکھتا ہے۔ یہ مضمون اسی مقصد کو اجاگر کرنے کی ایک کوشش ہے تاکہ الیکشن میں حصہ لینے والے ہر جماعت کے مسلمان امیدوار عمومی طور پر اور اسلامی جماعتوں کے امیدواران خصوصی طور پر اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیں‘ کیونکہ ہر مسلمان‘ چاہے وہ کسی بھی سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہو‘ اُسے بہرحال اپنی آخرت کی فکر ضرور کرنی چاہیے۔

اسلام میں حکومتی عہدوں کے حصول کے لیے افراد کا آگے بڑھ کر از خود کوشش کرنا مذموم گردانا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اور خلفاء راشدین ؓ کے دور میں شاید ہی کوئی ایسی مثال موجود ہو جس میں کسی فرد نے خود کو کسی حکومتی منصب کے لیے پیش کیا ہو اور آپ ﷺ نے یا خلیفہ وقت نے اس کو سراہا ہو یا اس کی حوصلہ افزائی کی ہو۔ اسلام بوقتِ ضرورت عہدہ قبول کرنے سے قطعی طور پر منع نہیں کرتا‘ لیکن اس کی طلب اور اس کے لیے تگ و دو کرنے کو ناقابلِ قبول سمجھتا ہے۔ عہدوں کا حصول یا ان پر اہل افراد کی تقرری اگر اسلامی اصولوں کے مطابق کی جائے تو یقیناً ایسے افراد سے خیر کی توقع کی جا سکتی ہے‘ اور اگر ان کا حصول یا تقرری ذاتی یا پارٹی مفاد کی بنیاد پر ہو تو خیر کی توقع کرنا عبث ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں جو واضح ہدایات دی ہیں‘ ذیل کی احادیث سے ان کو با آسانی سمجھا جا سکتا ہے‘ جو تمام افراد اور سیاسی پارٹیوں کے لیے عموماً اور مذہبی جماعتوں کے لیے خصوصاً قابلِ غور ہیں:

☆ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ ؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ، فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا، وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا)) (متفق علیہ)

’’اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! تم خود حکومت کے کسی منصب کا سوال نہ کرنا‘ اس لیے کہ یہ منصب اگر تمہیں بغیر سوال کے مل گیا تو اس پر (اللہ کی طرف سے) تمہاری مدد ہوگی‘ اور اگر سوال کرنے سے تمہیں یہ ملے گا تو یہ تمہارے سپرد کر دیا جائے گا (بایں طور کہ اللہ کی مدد شامل حال نہ ہوگی)۔‘‘

☆ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ میں اور میرے چچا زاد بھائی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جن علاقوں پر اللہ نے آپ کو حکمران بنایا ہے ان میں سے بعض کی گورنری (وغیرہ) ہمیں عنایت فرما دیں' دوسرے نے بھی ایسی بات کہی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّا وَاللّٰهِ لَا نُوَلِّيْ عَلٰى هٰذَا الْعَمَلِ اَحَدًا سَأَلَهُ وَلَا اَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ)) (متفق علیه)

''اللہ کی قسم' ہم حکومتی عہدوں پر ایسے شخص کو مقرر نہیں کرتے جو خود اس کا سوال کرے اور نہ ایسے کسی شخص کو جو اس کی خواہش رکھتا ہو۔''

☆ حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَى الْاِمَارَةِ وَسَتَكُوْنُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

(رواہ البخاری و النسائی)

''تم لوگ حکومت اور امارت کی حرص کرو گے (لیکن یاد رکھو کہ) یہ قیامت والے دن ندامت کا باعث ہوگی۔''

☆ حضرت ابوہریرہ ؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَيَتَمَنَّيَنَّ اَقْوَامٌ وُلُّوْا هٰذَا الْاَمْرَ اَنَّهُمْ خَرُّوْا مِنَ الثُّرَيَّا وَاَنَّهُمْ لَمْ يَلُوْا شَيْئًا)) (رواہ احمد)

''ایک وقت ایسا آئے گا کہ منصب والے یہ تمنا کریں گے کہ چاہے وہ آسمان سے گر پڑتے مگر کوئی منصب نہ لیتے۔''

اسلام میں منصب کا تصور ذمہ داری کا ہے اور یہ کسی برتری یا فخر کا باعث نہیں ہے۔ منصب کے تمام امور کے لیے متعلقہ عہدیدار کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہوگا۔ آج ہم نیب اور عدالتی قوانین کے سامنے جواب دہی سے گھبرا رہے ہوتے ہیں تو جب اللہ تعالیٰ کی عدالت میں عدل وانصاف کا ترازو لگے گا تب ہمارا کیا حال ہوگا؟ حضرت عمر فاروق ؓ جیسے جلیل القدر صحابی بھی یہ تصور کر کے کانپ جاتے تھے اور بعض اوقات رو پڑتے تھے۔ ان کے یہ مشہور الفاظ ہماری تاریخ کا سنہرا باب ہی نہیں' بلکہ ہمارے لیے مشعل راہ بھی ہیں کہ ''دریائے فرات کے کنارے ایک کتا بھی (بھوک اور پیاس سے) مر جائے تو مجھ سے اس کی بھی

جوابدہی ہوگی۔''

حضرت عمر فاروق ؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، فَالْاِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، وَالرَّجُلُ فِيْ اَهْلِهٖ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، وَالْمَرْاَةُ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ فِيْ مَالِ سَيِّدِهٖ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ)) (رواہ البخاری)

''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے ماتحت لوگوں اور رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ امیر اور خلیفہ ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ مرد اپنے اہل خانہ کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے سلسلے میں باز پرس ہوگی۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے متعلق باز پرس ہوگی۔ خادم اپنے آقا کے ساز وسامان کا ذمہ دار ہے' اس سے اس کی نگرانی کے متعلق باز پرس ہوگی۔ پس تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے ماتحت افراد اور رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔''

ایک اور حدیث ملاحظہ ہو' حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى سَائِلٌ كُلَّ رَاعٍ عَمَّا اسْتَرْعَاهُ، حَفِظَ ذٰلِكَ اَمْ ضَيَّعَ، حَتّٰى يَسْأَلَ الرَّجُلَ عَنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ))(رواہ النسائی)

''اللہ تعالیٰ ہر ذمہ دار شخص سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال کرے گا کہ ان کی حفاظت کی یا ان کو بربادی تک پہنچایا۔ یہاں تک کہ آدمی سے اس کے گھر والوں کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔''

یہاں ایک سوال ذہن میں ضرور پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ نظام میں یہ تو بظاہر ایک ناممکن تصور اور لائحہ عمل لگتا ہے' تو اس کا حل کیا ہوگا؟ اور حکومت سازی کا کام کیسے انجام پائے گا؟

رائج الوقت جمہوری نظام کے اسلامی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں تو بات کرنے کا یہ موقع نہیں' لیکن اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ موجودہ انتخابی نظام اسلام کے طریقہ انتخاب

اور طرزِ حکومت سے کُلّی مطابقت نہیں رکھتا۔ موجودہ زمانے میں متناسب نمائندگی کا نفاذ ایک نسبتاً بہتر صورت ہوسکتی ہے اور یہ دنیا کے بہت سے ممالک میں رائج بھی ہے۔ اگرچہ اس میں بھی مسائل اور خرابیاں ہوسکتی ہیں‘ لیکن اس سے موجودہ جمہوری اور انتخابی نظام کی کئی خرابیوں کی اصلاح ممکن ہے۔ اس میں اسمبلی ممبران اور عہدوں کا اختیار بھی فرد سے پارٹی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو بعد میں باہمی مشاورت سے بہتر لوگوں کا انتخاب کر سکتی ہے۔ اس طرح موجودہ جمہوری نظام کی بہت سی قباحتوں کو کم کیا جا سکتا ہے۔

جو مذہبی جماعتیں موجودہ طریقہ کار کے مطابق الیکشن میں حصہ لینے کو فائدہ مند اور نفاذِ اسلام کا ایک جائز طریقہ سمجھتی ہیں اور موجودہ جمہوری نظام میں رہتے ہوئے جدوجہد کر رہی ہیں‘ ان کو ترجیحاً اپنی اپنی پارٹیوں میں عہدیداروں کے انتخاب کے عمل کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی ان ہدایات کے مطابق استوار کرنا چاہیے اور صوبائی اور قومی اسمبلی کے امیدواروں کے لیے ارکان کے چناؤ کے بارے میں بھی ان ہدایات کو اپنانا چاہیے۔ یہ کام صرف رسماً نہیں بلکہ شعوری طور پر اور سوچ سمجھ کر علماء کرام کے مشورے اور ہدایات کے مطابق کیا جائے‘ ورنہ اگر بیج ہی زہریلا ڈال دیا تو اس سے اُگنے والے درخت سے میٹھے پھل کی توقع کرنے کو کم سے کم الفاظ میں خام خیالی ہی کہا جا سکتا ہے۔

ان جماعتوں کو پارٹی کے ارکان اور کارکنان کی اسی نہج پر تربیت کا بندوبست بھی کرنا چاہیے تاکہ ان میں بھی منصب اور عہدے کے بارے میں اسلامی تصور اجاگر ہو اور وہ پارٹی اور حکومت کے انتظامی امور چلانے کے لیے اہل افراد کا انتخاب کر سکیں۔ اس طرح جن افراد کو بھی مشورے کے نتیجے میں منتخب یا نامزد کیا جائے گا تو ان سے توقع کی جا سکے گی کہ جس منصب کے لیے ان کو اہل تصور کیا گیا ہے اور ذمہ داری سونپی گئی ہے وہ اس سے متعلقہ تمام احکام اور ذمہ داریوں کا پورا پورا خیال رکھیں گے۔

یہ بھی واضح ہونا چاہیے کہ یہ صرف پارٹی قیادت کی ذمہ داری ہی نہیں بلکہ پارٹی ارکان کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ خود اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

ایک مسلمان کے پیش نظر تو دنیاوی مفادات سے زیادہ اُخروی اجر ہونا چاہیے۔ ربّ

کریم نے مسلمانوں کے لیے اجر کا وعدہ کامیابی‘ تبدیلی اور نتائج پر نہیں بلکہ صحیح طریقہ کے مطابق کوشش اور جدوجہد سے مشروط کیا ہے۔ حتیٰ کہ تبدیلی اور نتیجے کا ذمہ دار تو خود رسول اللہ ﷺ کو بھی نہیں ٹھہرایا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ
لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝١٠٨ وَاتَّبِعْ مَا
يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝١٠٩﴾ (یونس)

''(اے پیغمبر ﷺ!) کہہ دو کہ لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے۔ اب جو شخص ہدایت کا راستہ اپنائے گا‘ وہ خود اپنے فائدے کے لیے اپنائے گا۔ اور جو گمراہی اختیار کرے گا‘ اس کی گمراہی کا نقصان خود اسی کو پہنچے گا‘ اور میں تمہارے کاموں کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ اور جو وحی تمہارے پاس بھیجی جا رہی ہے تم اس کی اتباع کرو‘ اور صبر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ کوئی فیصلہ کر دے۔ اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔''

اور سورۃ التغابن میں ارشاد فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۗ
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝١٦﴾

''پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو‘ اور سنو اور مانو‘ اور (اللہ کے حکم کے مطابق) خرچ کرو‘ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور جو لوگ اپنے دل کی لالچ سے محفوظ ہو جائیں وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

بدقسمتی سے کچھ مسلمان حلقوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کے خود کو عہدے کے لیے پیش کرنے کو بطور مثال بیان کیا جاتا ہے اور ان کے قول ﴿اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝٥٥﴾ (یوسف) سے خود کو کسی منصب یا وزارت وغیرہ کے لیے پیش کرنے کی دلیل اور توضیح کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اختصار کے ساتھ چند نکات کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل خانے میں بادشاہ کے خواب کی جو تعبیر کی اس سے بادشاہ کو نہ صرف ان کی قابلیت اور صلاحیت کا اندازہ ہو گیا بلکہ اس نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ

میں ان کو رہا کر کے اپنا مشیر خاص بناؤں گا:

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿٥٤﴾﴾

''اور بادشاہ نے کہا: اسے میرے پاس لے آؤ تاکہ میں اسے اپنے لیے مخصوص کر لوں۔ پھر جب یوسف (علیہ السلام) نے اس سے گفتگو کی تو اس نے کہا: اب آپ ہمارے ہاں قدر و منزلت رکھتے ہیں اور ہمیں آپ کی امانت پر پورا بھروسا ہے۔''

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: ''یہ بادشاہ کی طرف سے گویا ایک کھلا اشارہ تھا کہ آپ کو ہر ذمہ داری کا منصب سونپا جا سکتا ہے۔''

بادشاہ کے اس فیصلے کے بعد یوسف علیہ السلام نے کہا: ﴿اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَاۗىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّىْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٥﴾﴾ کہ ملک کے خزانے میرے سپرد کیجیے' میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور اس کا علم بھی رکھتا ہوں۔ اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

''اس سے پہلے جو توضیحات گزر چکی ہیں' ان کی روشنی میں دیکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ یہ کوئی نوکری کی درخواست نہیں تھی جو کسی طالب جاہ نے وقت کے بادشاہ کا اشارہ پاتے ہی جھٹ سے پیش کی ہو...... اب اگر کچھ کسر باقی تھی تو وہ صرف اتنی کہ حضرت یوسف علیہ السلام خود حکومت کے ان اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لینے پر رضا مندی ظاہر کریں جن کے لیے بادشاہ اور اس کے اعیانِ سلطنت بخوبی جان چکے تھے کہ ان سے زیادہ موزوں آدمی کوئی اور نہیں ہے۔'' (تفہیم القرآن' سورہ یوسف' آیت ۵۵)

اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے خود کسی عہدے یا وزارت کی خواہش کا اشارتاً بھی اظہار نہیں کیا تھا' بلکہ بادشاہ نے ان سے درخواست کی تھی کہ میں آپ (یوسف علیہ السلام) کو اپنا مشیر خاص مقرر کرنا چاہتا ہوں اور یوسف علیہ السلام نے اس کی درخواست قبول کر لی تھی۔ اور پھر فرمایا کہ (جب آپ نے فیصلہ کر لیا ہے تو) مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دیں' کیونکہ ان کو خشک سالی کے حالات کا علم تھا جو انہوں نے خواب کی تعبیر میں بادشاہ کے ایلچی کو بتا دیے تھے۔

اب اس سے کہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے خود عہدے یا وزارت کی خواہش کا اظہار کیا تھا؟ بلکہ حقیقتاً تو انہوں نے مفادِ عامہ کی خاطر بادشاہ کی پیشکش کو قبول کر کے

اپنی انتظامی صلاحیت کا اظہار کیا تھا اور بعد میں اپنے عملی اقدامات سے اس کو ثابت بھی کر دیا تھا۔ البتہ ان آیات سے یہ بات ضرور واضح ہوتی ہے کہ وزارت (منصب) کے لیے دیانت (حفیظ) اور علم (علیم) دو بنیادی اوصاف ہیں جس میں دیانت کو علم سے پہلے لایا گیا ہے۔ بدقسمتی آج ہمارے صاحب اقتدار انہی اوصاف سے تہی دامن ہیں جس کا نتیجہ ہم کرپشن کے ناسور اور بدانتظامی کی مختلف صورتوں میں بھگت رہے ہیں۔

پس مندرجہ بالا احادیث مبارکہ اور یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ:

☆ کوئی شخص خود سے کوئی عہدہ (حکومتی منصب) طلب نہیں کر سکتا۔

☆ جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کسی عہدے کا امیدوار (طلبگار) ہے تو اس کو وہ عہدہ نہیں دیا جائے گا۔

☆ عہدہ (اسمبلی ممبرشپ' وزارت' امارت اور صدارت وغیرہ سب اس میں شامل ہیں) ایک ذمہ داری ہے اور اس کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے آخرت کے دن جواب دہ ہوگا۔

☆ جس شخص نے خود اپنی خواہش یا جوڑ توڑ سے کوئی عہدہ حاصل کیا تو اللہ اس سے اپنا ہاتھ اٹھا لیتا ہے اور یہ اس کے لیے دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب الٰہی کا سبب بن سکتا ہے۔

☆ اگر کوئی حکومتی یا پارٹی ذمہ داری سونپی جاتی ہے اور متعلقہ شخص مخلوقِ خدا کی بھلائی کے لیے اس کو نبھانے کی استطاعت محسوس کرتا ہے تو وہ اسے قبول کر سکتا ہے۔

☆ جس شخص کو ذمہ داری سونپنے کا فیصلہ کیا جائے وہ اس کے بعد اپنی کسی ایسی مخصوص صلاحیت کا اظہار کر سکتا ہے جس کے بارے میں اُسے یہ حسن ظن ہو کہ وہ اس متعلقہ ذمہ داری کو بہتر طور پر نبھا سکتا ہے۔

☆ ذمہ داری ایسے لوگوں کو دی جائے جو دیانت دار اور علم والے ہوں (یعنی متعلقہ پیشہ ورانہ صلاحیت کے حامل ہوں)۔ اس میں بھی علم (پیشہ ورانہ صلاحیت) پر دیانت داری کو مقدم رکھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے اور پھر ان ہدایات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

❁❁❁

عالمی معیشت پر یہودی اجارہ داری

محمد ندیم اعوان☆

کسی بھی ملک کی تعمیر و ترقی کا راز امن کی بحالی اور معاشی استحکام میں مضمر ہے۔ جہاں شہریوں کی زندگی داؤ پر لگی ہو، حکومتی اداروں کو امن کی بحالی میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو تو اُس ملک یا خطے کی ترقی ایک خواب بن کر رہ جاتی ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر وہ خطہ معاشی اضطراب کا شکار ہے تو بے روزگاری کی بڑھتی ہوئی شرح امن کو سبوتاژ اور نت نئے جرائم کو جنم دینے کا سبب بنے گی۔ یہ کوئی مغربی فلسفہ نہیں بلکہ آئینی اور قانونی حیثیت رکھنے والی لازوال کتاب قرآن مجید کا ملکوں کی تعمیر و ترقی کے لیے تجویز کردہ نسخہ ہے۔ چنانچہ بیت اللہ کی تعمیر کے بعد جب اسے ﴿مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ (البقرۃ:۱۲۵) ’’لوگوں کے لیے اجتماع کی جگہ‘‘ کا درجہ دے دیا گیا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلادِ عرب کی ترقی کے لیے انہی دو امور پر مشتمل دعا فرمائی: ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ﴾ (البقرۃ:۱۲۶) ’’اور یاد کرو جبکہ ابراہیمؑ نے دعا کی تھی: اے میرے پروردگار! اس گھر کو امن کی جگہ بنا دے اور یہاں آباد ہونے والوں کو پھلوں کا رزق عطا فرما‘‘۔ اسی طرح بعثت نبویؐ سے قبل معاشرے میں دیگر قبائل کی بنسبت قبیلہ قریش کی امتیازی حیثیت معاشی اجارہ داری کی مرہونِ منت تھی اور یہی وہ چیز تھی جو انہیں اللہ کے رسول ﷺ کا پیغام ماننے سے روک رہی تھی، کیونکہ وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ نبوی پیغام کو ماننے سے معیشت پر اِن کی گرفت کمزور پڑ سکتی ہے۔ آج بھی جن ممالک میں امن کے سوتے پھوٹتے ہیں اور ان کی معیشت سرمایہ داروں اور عالمی اداروں (آئی ایم ایف، ورلڈ بینک) کے چنگل سے نسبتاً آزاد ہے تو وہ ممالک ترقی کی دوڑ میں صدیوں کا سفر دہائیوں میں اور دہائیوں کا سفر سالوں میں طے کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن جن ممالک پر عالمی طاقتوں کی اجارہ داری قائم ہے، جن کی معاشی

☆ای میل: nts14303@gmail.com

پالیسیاں امپورٹ کی جاتی ہیں اُن ممالک کے لیے کسی ایک آدھ منصوبے کی تکمیل سے ملک میں خوشحالی کی اُمید حماقت ہے۔

نظریاتی یہودیوں کے ذہن میں عالمگیریت کا ایک نقشہ ہے جس کا وہ صدیوں سے خواب دیکھتے چلے آرہے ہیں۔ وہ عرصۂ دراز سے امریکی حکومت پر حکومت کرتے چلے آرہے ہیں اور دنیا پر اپنی سپر گورنمنٹ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنی سپر گورنمنٹ کو قائم کرنے اور دنیا کو کنٹرول کرنے کے لیے دنیا کے ممالک کی ان دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھا ہے جو کسی بھی ملک کی تعمیر و ترقی کی ضامن سمجھی جاتی ہیں۔ اوّل انہوں نے تمام ممالک (خصوصاً اسلامی ممالک) کو خانہ جنگی میں دھکیل کر امن کو سبوتاژ کر دیا ہے۔ دوم یہ کہ دنیا کو ترقی کا جھانسہ دے کر اتنا مقروض کر دیا ہے کہ ملکی سطح پر حکمران جماعت ان کے لیے کٹھ پتلی کی حیثیت رکھتی ہے، جس کے منہ میں ان کی زبان چلتی ہے۔ گریٹر اسرائیل کے عالمی صیہونی منصوبے کی خفیہ دستاویز پر مشتمل ’’یہودی پروٹوکولز‘‘ کی چند عبارات ملاحظہ ہوں:

’’لہٰذا بہت سے ممالک کے حکمران جب بیکار اور فاضل ہو گئے تو انہیں اقتدار سے الگ کر دیا گیا۔ اس کے بعد جمہوریتوں کا دور شروع ہو گیا اور پھر ہم نے حقیقی حکمرانوں کی جگہ عوام ہی میں سے ایسے افراد کو گدی پر بطور صدر بٹھا دیا جو ہماری غلامی کا دم بھرتے تھے۔ یہ دراصل ایک بارودی سرنگ کی بنیاد تھی، جو ہم نے غیر یہودی اقوام کے نیچے بچھا دی ہے۔‘‘

’’ہم چیمبر کے نمائندوں کو قوانین میں ترمیم کرنے کے حق سے محروم کر کے تمام اختیارات صدر کو منتقل کر دیں گے، جس کی حیثیت ہمارے نزدیک ایک کٹھ پتلی سی ہوگی۔‘‘ (یہودی پروٹوکولز، صفحہ ۱۶۸، ترجمہ: محمد یحییٰ خان)

خانہ جنگی، عالمی پیمانے پر انتشار، تشدد اور اشتعال انگیزی کے بارے میں لکھا ہے:

’’ہمیں پولیس کے ذریعے یورپ میں اور یورپ کی وساطت سے دوسرے براعظموں میں بھی فسادات، انتشار اور جنگ و جدل کی آگ بھڑکانی ہے۔ اس سے ہمیں دوہرا فائدہ ہوگا۔ اول یہ کہ ہم تمام ملکوں اور قوموں کو اپنے قابو میں رکھ سکیں گے، کیونکہ انہیں یہ خوف ہوگا کہ ہمارے پاس طاقت ہے، ہم جب چاہیں کسی کو بھی سزا دے سکتے ہیں۔ دوم، ہم ان تمام ڈوروں کو جو سیاسی نظاموں، معاشی معاہدوں اور قرضہ جات کے وسیلوں سے مختلف ملکوں کی وزارتوں میں پھیلی ہوئی ہیں، اُلجھا کر رکھ

دیں گے۔اس مقصد کے لیے ہمیں مذاکرات اور معاہدوں میں پوری ہوشیاری سے کام لینا ہوگا۔'' (یہودی پروٹوکولز‘ صفحہ ۱۵۳‘ ترجمہ: محمد یحییٰ خان)

عالمی معیشت کو کنٹرول کرنے کی منصوبہ بندی کے حوالے سے پروٹوکولز میں لکھا ہے:

''ہم نے سرمائے کو گردش سے نکال کر غیر یہود کے لیے معاشی بحران پیدا کیے ہیں جس کی وجہ سے ریاستوں کو قرضوں کا سہارا لینا پڑا ہے۔ان قرضوں نے حکومت کی مالیات کو سود کے بوجھ تلے دبا دیا ہے‘ نتیجتاً حکومتیں ان سرمایوں کی محض غلام بن کر رہ گئی ہیں۔''

آگے لکھا ہے:

''کسی بھی قسم کا قرضہ لینا حکومت کی کمزوری کا ثبوت ہوتا ہے۔قرضے ایک ننگی تلوار کی طرح حکمرانوں کے سروں پر لٹکتے رہتے ہیں جو کہ اپنی رعایا سے ایک عارضی ٹیکس لگا کر رقم حاصل کرنے کی بجائے ہمارے بینکاروں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگنے آجاتے ہیں۔''

مزید لکھا ہے:

''یہ ٹھیک ہے کہ غیر یہود حکومتیں‘ اپنے سطحی بادشاہوں‘ نا اہل وزیروں اور کم فہم سرکاری عہدیداروں کی وجہ سے ہماری مقروض بن گئیں اور یہ قرضے اب ادا کرنا ان کے بس میں نہیں رہا‘ لیکن یہ سب یونہی ممکن نہیں ہوگیا۔اس مقصد کے لیے ہمیں آگ اور خون کے دریاؤں سے گزرنا پڑا اور ہم نے روپیہ پانی کی طرح بہا کر یہ حالات پیدا کیے ہیں۔'' (یہودی پروٹوکولز‘ صفحہ ۲۱۷‘ ترجمہ: محمد یحییٰ خان)

آج عالمی سطح پر معاشی بحران انہی پروٹوکولز کا مرہونِ منت ہے۔اس بحران کو پیدا کرنے کے لیے تمام ممالک سے سونا چاندی ہتھیا کر بدلے میں کاغذ کے استعمال پر مجبور کیا گیا‘ کیونکہ جب تک لین دین‘ معاملات وتجارت سکّوں پر سونا چاندی کے وزن کے لحاظ سے ہوا کرتے تھے اُس وقت تک عالمی معیشت کو کنٹرول کرنا ممکن نہیں تھا۔چنانچہ گولڈ سٹینڈرڈ‘ گولڈ ایکسچینج سٹینڈرڈ‘ سلور سرٹیفکیٹ اور بریٹن ووڈز جیسے معاہدوں کے ذریعے کاغذی کرنسی (خصوصاً ڈالر جس کے پیچھے نجی یہودی بینکاروں کی سوچ کارفرما ہے) کو فروغ دیا گیا‘ جس کے بارے میں امریکا کے تیسرے صدر جیفرسن نے ۱۷۸۸ء میں کہا تھا:

"Paper is poverty, it is only the ghost of money, and not money itself."

''کاغذی کرنسی رقم نہیں‘ محض رقم کا بھوت ہے اور غربت ہے۔''

کرنسی محض ایک خیال کا نام ہے‘ جس پر سب کو اعتبار ہوتا ہے اور لوگوں کا یہی اعتبار پلاسٹک‘ دھات یا کریڈٹ کارڈ کو کرنسی کا درجہ دیتا ہے۔

۱۴۵۰ء سے ۱۵۳۰ء تک عالمی تجارت پر پرتگال کا سکہ چھایا رہا۔۱۵۳۰ء سے ۱۶۴۰ء تک عالمی تجارت پر ہسپانیہ کا سکہ حاوی رہا۔۱۶۴۰ء سے ۱۷۲۰ء تک عالمی تجارت ولندیزی سکے کے زیر اثر رہی۔۱۷۲۰ء سے ۱۸۱۵ء تک فرانس کے سکے کی حکومت رہی۔۱۸۱۵ء میں فرانس کے بادشاہ نپولین کی شکست بعد ۱۹۲۰ء تک برطانوی پاؤنڈ حکمرانی کرتا رہا اور تب سے لے کر آج تک امریکی ڈالر نے راج کیا‘ لیکن اب اس کی مقبولیت تیزی سے گرتی جا رہی ہے‘ محض امریکی حکومت پر اعتماد اور اس کی فوجی دھونس پر قائم ہے۔اس دوران میں جس نے بھی عالمی سطح پر ڈالر کی حیثیت کو کم کرنے کی کوشش کی‘ یا سونے‘ تیل اور تجارت کی خرید وفروخت کے لیے ڈالر کے مقابلے میں کسی دوسری کرنسی کو رواج دینے کا سوچا بھی تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔پرائے تو رہے ایک طرف‘ اپنوں کو بھی نہیں بخشا۔امریکا کے ساتویں صدر اینڈریو جیکسن نے فروری ۱۸۳۴ء میں ایک تقریر کے دوران بینک ریاست ہائے متحدہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

''میں بڑے غور سے مشاہدہ کر رہا ہوں کہ بینک ریاست ہائے متحدہ کیا کر رہا ہے۔میرے آدمی کافی عرصے سے تم پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور اب میں قائل ہو چکا ہوں کہ تم لوگوں نے بینک میں جمع شدہ رقم سے اشیاء خورونوش پر سٹہ کھیلنا شروع کر دیا ہے۔جب تم جیتے تو تم نے منافع آپس میں بانٹ لیا اور جب تمہیں نقصان ہوا تو تم نے اسے بینک کے کھاتے میں ڈال دیا۔تم مجھے بتاتے ہو کہ اگر میں تمہارے بینک کا سرکاری اجازت نامہ منسوخ کردوں تو دس ہزار گھرانے برباد ہو جائیں گے۔معززین! ہوسکتا ہے یہ درست ہو‘ لیکن یہ تمہارا گناہ ہے۔اور اگر میں نے تمہیں اسی طرح کام کرنے دیا تو تم لوگ پچاس ہزار خاندان تباہ کر دو گے اور یہ میرا گناہ ہوگا۔تم لوگ زہریلے سانپوں اور چوروں کا گروہ ہو اور میں تمہیں ہر حال میں ختم کر کے رہوں گا۔''

اگرچہ کانگریس نے بینک ریاست ہائے متحدہ کی دوبارہ بحالی کا بل منظور کر لیا تھا مگر بعد میں اینڈریو جیکسن نے اسے ویٹو کر دیا تھا۔۳۰ جنوری ۱۸۳۵ء کو اینڈریو جیکسن پر قاتلانہ حملہ

ہوا‘ لیکن اس پر چلائی گئی دونوں گولیاں اسے نہیں لگیں۔

امریکا کے سولہویں صدر ابراہم لنکن نے ۲۱ نومبر ۱۸۶۴ء کو اپنے ایک خط میں عالمی بحران کی پیشین گوئی کرتے ہوئے کہا تھا:

’’میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب ایک بڑا بحران آنے والا ہے جو مجھے پریشان کر دیتا ہے اور میں اپنے ملک کی حفاظت کے خیال سے لرزنے لگتا ہوں۔ کارپوریشنوں کو بادشاہت مل گئی ہے اور اعلیٰ سطح پر کرپشن آنے والی ہے۔ دولت کی طاقت لوگوں کی سوچ پر حاوی ہو کر اپنا راج جاری رکھنے کی پوری کوشش کرے گی یہاں تک کہ ساری دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جائے اور جمہوریت تباہ ہو جائے گی۔‘‘

چند ہی مہینوں بعد ۱۸۶۵ء میں ابراہم لنکن کو گولی مار کر موت کی نیند سلا دیا گیا۔

امریکا کے بیسویں صدر جیمز گارفیلڈ نے عالمی سطح پر عوام کا خون چوسنے والے مالیاتی اداروں کا بھانڈا پھوڑتے ہوئے کہا تھا: ’’جو کوئی بھی کسی ملک میں کرنسی کو کنٹرول کرتا ہے وہ دراصل ساری معیشت اور ساری صنعت کا مالک ہوتا ہے‘‘۔ اس صدر کو صدارت کے ساتویں مہینے میں ۲ جولائی ۱۸۸۱ء کو گولی مار دی گئی تھی۔

یکم جنوری ۱۹۷۴ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کے بینکوں کو حکومتی تحویل میں لے لیا‘ جنہیں عالمی بینکار کنٹرول کرتے تھے۔ عالمی بینک کاروں نے ہنری کسنجر کے کندھے پر بندوق تھما کر انڈیا کے تفصیلی دورے سے واپسی پر چند لمحوں کے لیے پاکستان بھیج دیا اور ہمیں للکار کر چلے گئے۔ تاریخ میں آج بھی وہ الفاظ محفوظ ہیں:

"Then we will make a horrible example of you!"

’’پھر ہم تمہیں ایک دہشت ناک مثال بنا دیں گے۔‘‘

عالمی یہودی بینکاروں کو للکارنے کی وجہ سے ذوالفقار علی بھٹو کو ۴ اپریل ۱۹۷۹ء کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔

۱۹۹۷ء میں ایک سازش کے تحت ملائشیا کی کرنسی رنگٹ کی قدر اچانک گر کر تقریباً آدھی رہ گئی۔ اس پر ملائشیا کے وزیراعظم مہاتیر محمد نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ تمام اسلامی ممالک کو آپس میں لین دین اور تجارت کے لیے امریکی ڈالر پر انحصار کی بجائے اپنی ایک کرنسی بنانی چاہیے یا سونے کے دینار پر لین دین کو فروغ دینا چاہیے تاکہ عالمی معیشت پر امریکا کے پشت پناہ

یہودیوں کی اجارہ داری کو ختم کیا جا سکے‘ اور اُنہوں نے ۲۰۰۳ء کے وسط تک مجوزہ سونے کا دینار جاری کرنے کا اعلان بھی کیا تھا۔ ظاہر ہے سونے کے دینار میں لین دین سے شرح تبادلہ کی ضرورت ختم ہو جائے گی جس پر مغربی ممالک کی معیشت کا انحصار ہے۔ اس لیے مہاتیر محمد کو سال ۲۰۰۳ء میں ہی ۲۲ سالہ اقتدار سے بے دخل کر دیا گیا اور عبداللہ احمد بداوی کو وزیراعظم بنا دیا گیا‘ جس نے ملکی سطح پر سونے کے دینار کو جاری ہونے سے روک دیا۔ لیکن ملائیشیا کی ایک سٹیٹ کیلانتن نے پھر بھی ۲۰ ستمبر ۲۰۰۶ء کو سونے کے دینار جاری کیے جن کا وزن ۴ء۲۵ گرام ہے اور یہ ۲۲ قیراط سونے سے بنے ہوئے ہیں۔

صدام حسین نے بھی ایسی ہی جسارت کی تھی۔ ۲۰۰۰ء میں انہوں نے یہ کوشش کی تھی کہ عراق کو تیل کا معاوضہ امریکی ڈالر کی بجائے کسی اور کرنسی میں دیا جائے۔ صدام حسین کا یہ مطالبہ امریکی ڈالر کی بڑھتی ہوئی مقبولیت پر براہِ راست ایک مضبوط وار تھا۔ صدام کا یہ ناقابل معافی جرم آخر کار انہیں لے ڈوبا۔ لیبیا کے معمر قذافی بھی صدام حسین کی راہ پر چل پڑے اور سال ۲۰۰۹ء میں افریقہ سے لین دین اور تجارت کے لیے سونے کا دینار نافذ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس لیے انہیں بھی نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔

آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ دنیا کے تقریباً ہر چھوٹے ملک میں وہاں کی کاغذی کرنسی حکومت جاری کرتی ہے تاکہ حکومتی آمدنی میں اضافہ ہو‘ لیکن اس وقت دنیا کی سب سے بڑی کاغذی کرنسی امریکی ڈالر امریکی حکومت جاری نہیں کرتی بلکہ ایک نجی ادارہ فیڈرل ریزرو (سینٹرل بینک) جو دسمبر ۱۹۱۳ء میں وجود میں آیا‘ جاری کرتا ہے۔ عام طور پر فیڈرل ریزرو کو حکومتی ادارہ سمجھا جاتا ہے جبکہ حقیقتاً یہ ایک نجی ادارہ ہے‘ جو چند یہودی کرتا دھرتاؤں کی محنتوں کا نتیجہ ہے‘ جو ڈالر چھاپ چھاپ کر امریکی حکومت کو نہ صرف قرض دیتا ہے بلکہ سود سمیت وصول بھی کرتا ہے۔ اپنی بے تحاشا دولت کے باعث یہودیوں کا یہ ادارہ امریکی حکومت پر حکومت کرتا ہے۔ امریکا پر یہودی اجارہ داری کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب مقبول امریکی صدر ابراہم لنکن نے امریکی ڈالر (کاغذی کرنسی) چھاپنے کا اختیار نجی بینکوں سے لے کر حکومت کے محکمہ خزانہ کو دے دیا تھا تو اُن کے اس اقدام کی وجہ سے ۱۴/اپریل ۱۸۶۵ء کو اُنہیں گولی مار کر قتل کر دیا گیا۔ ٹھیک سو سال بعد امریکہ کے پینتیسویں صدر جان ایف کینیڈی

نے ۴ جون ۱۹۶۳ء کو ایک فرمان جاری کیا تھا‘ جس کے مطابق امریکی حکومت اپنے پاس موجود چاندی کے عوض خود امریکی ڈالر چھاپا کرے گی۔ چنانچہ فیڈرل ریزرو کے کارندوں نے فوراً خطرہ بھانپ لیا اور ۲۲ نومبر ۱۹۶۳ء کو صدر کینیڈی کو اس جسارت پر قتل کروا دیا گیا۔ قتل سے صرف چھ دن پہلے صدر کینیڈی نے محکمہ خزانہ کو امریکی ڈالر چھاپنے کا حکم دیا تھا۔ اس وقت پاکستانی نوٹوں کی طرح امریکی ڈالر پر بھی ادائیگی کا وعدہ لکھا ہوتا تھا۔ صدر کینیڈی کے قتل کے صرف چار دن بعد فیڈرل ریزرو نے جو نوٹ جاری کیے ان پر ایسا کوئی وعدہ تحریر نہ تھا۔ صدر کینیڈی کے قاتل ’’لی ہاروے اوسوالڈ‘‘ کو ’’جیک روبی‘‘ نے سرعام قتل کر دیا اور بعد میں خود جیل میں بیمار ہو کر مر گیا یا شاید زہر دے کر مار دیا گیا۔ صدر کینیڈی کا وہ فرمان ۹ ستمبر ۱۹۸۷ء تک قانون کا حصہ رہا مگر اس پر عمل نہ ہوا۔ اس کے بعد صدر رونالڈ ریگن نے اسے منسوخ کر دیا۔

فیڈرل ریزرو کے پاس موجود ۸۱۳۳ء۵ ٹن سونے کی پچھلے کئی دہائیوں سے کوئی جانچ پڑتال نہیں ہوئی ہے۔ اس میں سے ۷۷۱۵ ٹن فورٹ ناکس میں رکھا ہوا ہے اور ۴۱۸ ٹن نیویارک کے فیڈرل ریزرو میں موجود ہے۔ یہ بھی واضح نہیں ہے کہ اس سونے کے مالکان کون کون ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ نیویارک کے فیڈرل ریزرو میں موجود ۵۸۹۰ ٹن سونے میں سے ۹۳ فیصد سونا غیر ملکیوں کا ہے۔ اسی طرح بینک آف انگلینڈ کے ۵۱۳۰ ٹن سونے کا صرف ۶ فیصد برطانوی حکومت کی ملکیت ہے۔ جرمنی کا ۱۵۰۰ ٹن سونا فیڈرل ریزرو کے پاس بطور امانت رکھا ہوا ہے جسے اب فیڈرل ریزرو واپس کرنے پر آمادہ نہیں۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ چین کا بھی کم از کم ۶۰۰ ٹن سونا فیڈرل ریزرو کے پاس محفوظ ہے۔ خیال رہے کہ نیویارک کا فیڈرل ریزرو بڑی مقدار میں سونا رکھوانے والوں سے کوئی فیس نہیں لیتا‘ لیکن بعد میں انہیں اپنے سونے کی پڑتال کی اجازت بھی نہیں دیتا۔

امریکی معیشت آج فیڈرل ریزرو کے قرضوں تلے دب چکی ہے۔ ۲۰ مارچ ۲۰۱۸ء تک امریکی حکومت پر فیڈرل ریزرو بینک کی طرف سے ۳۶۲۱ ارب ڈالر کا قرضہ چڑھ چکا ہے‘ جبکہ مجموعی قرضہ ۲۱ ہزار ارب ڈالر کے لگ بھگ بتایا جاتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ امریکی حکومت کبھی بھی یہ قرض ادا نہیں کر سکتی (قرض کبھی مزید قرض سے ادا نہیں ہوتا) اور نہ ہی فیڈرل ریزرو کبھی اتنی رقم کا مالک رہا تھا جو اس نے قرض دی ہے۔ فیڈرل ریزرو نے یہ ساری رقم

چھاپ کر قرض دی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر فیڈرل ریزرو یہ ساری رقم چھاپ سکتا ہے تو امریکی حکومت خود کیوں نہیں چھاپ لیتی؟ اگر حکومت خود چھاپے تو نہ قرض ادا کرنا پڑے گا اور نہ سود دینا پڑے گا۔ اس کی وجہ سو سال پرانا اور دھوکے سے بنایا گیا ایک غلط قانون ہے جس کے مطابق صرف فیڈرل ریزرو کو کرنسی چھاپنے کا اختیار دیا گیا ہے اور جو کوئی بھی اس قانون کو منسوخ کرنے کی بات کرتا ہے اُسے ہمیشہ کے لیے خاموش کرا دیا جاتا ہے۔

پچھلے ۹۰ سالوں میں امریکی حکومت پر قرضوں میں ۱۲۰۰ گنا اضافہ ہوا ہے۔ امریکا کی کنگال معیشت کا اندازہ آپ اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ امریکی حکومت کے پاس ایک رتی سونا‘ جو کہ اصل زر اور قیمت ہے‘ بھی موجود نہیں۔ ۱۹۸۱ء میں امریکی صدر رونالڈ ریگن نے ایک گولڈ کمیشن تشکیل دیا تاکہ معلوم ہو سکے کہ امریکی حکومت کے پاس کتنا سونا موجود ہے۔ اس کمیشن نے تحقیقات کر کے بتایا کہ امریکی حکومت کے پاس کوئی سونا نہیں ہے۔ فورٹ نوکس میں محفوظ سونا تو فیڈرل ریزرو کے پاس رہن رکھا گیا ہے جو قرضہ واپس کرنے پر ہی ملے گا۔ شبہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ مرکزی بینکوں کے پاس اب اتنا سونا نہیں بچا جتنا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں۔ فیڈرل ریزرو پہلے تو ہر سال ایسے اعداد و شمار جاری کرتا تھا جس سے پتہ چل سکے کہ اس نے کتنے ڈالر چھاپے ہیں۔ اگرچہ یہ اعداد و شمار کبھی بھی شک و شبہ سے بالاتر نہیں رہے‘ لیکن اب اس ادارے نے اعداد و شمار جاری کرنے سے ہی صاف انکار کر دیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ’’ہماری مرضی ہم جتنے چاہیں ڈالر چھاپیں‘ تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے؟‘‘ ۲۰۰۷ء کے بعد جب فیڈرل ریزرو کے اکاؤنٹ سے ۹۰۰۰ ارب ڈالر غائب ہوئے تو امریکی حکومت کوئی تفتیش نہیں کر سکی۔ یوں اگر ڈونلڈ ٹرمپ فلسطین کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دیں تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایک طرف ٹرمپ اور دوسری طرف امریکہ‘ دونوں پر یہودیوں نے اپنے زہریلے پنجے مضبوطی سے گاڑے ہوئے ہیں۔

ڈالر کی آڑ میں تمام دنیا کی دولت و ثروت کو چند یہودی ہاتھوں میں منتقل ہوتا دیکھ کر ۲۰۰۷ء سے ایران نے اپنے تیل کی قیمت امریکی ڈالر میں وصول کرنا بند کر دی ہے۔ نتیجتاً سعودی عرب کو ایران کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا جا رہا ہے‘ جبکہ ایران یہ واضح کر چکا ہے کہ ہم پر حملہ ہونے کی صورت میں اسرائیل بھی میدانِ جنگ بن جائے گا۔ ستمبر ۲۰۱۷ء میں وینیزویلا

نے بھی اعلان کر دیا ہے کہ وہ تیل کی قیمت ڈالر میں قبول نہیں کرے گا۔ روسی صدر پیوٹن نے بھی اعلان کر دیا ہے کہ ۲۰۱۸ء سے روس کی کسی بندرگاہ پر ڈالر وصول نہیں کیے جائیں گے۔ اگر آج بھی کاغذی کرنسی کی جگہ سونے چاندی کو خرید وفروخت کے لیے کرنسی کی طرح استعمال کیا جائے تو ہندوستان‘ چین اور تیل پیدا کرنے والے ممالک شاید امیر ترین ممالک بن جائیں‘ اس لیے بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اس بات کا سب سے بڑا مخالف ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) ایک نجی ادارہ ہے اور کسی حکومت کے ماتحت نہیں ہے۔

پاکستان کے پاس لگ بھگ ۶۵ ٹن سونا ہے اور پاکستان پر آئی ایم ایف کا شدید دباؤ ہے کہ یہ سونا بیچ کر کاغذی فورین ریزرو میں اضافہ کیا جائے‘ جبکہ اس وقت زیادہ تر ممالک اپنے سونے کے ذخیرے میں اضافہ کرنے میں مصروف ہیں۔ اب تک پاکستان اپنا سونا بیچنے پر آمادہ نہیں ہوا ہے‘ اس لیے ڈالر کی قدر بڑھا کر پاکستان کو قرض کی دلدل میں مسلسل دھنسایا جا رہا ہے۔

۱۷۷۶ء میں جب امریکہ آزاد ہوا تو ابتدا ہی سے امریکا میں دو دھاتی نظام (Bimetallic Standard) قائم تھا۔ ڈالر کا سکہ سونے کا بھی ہوتا تھا اور چاندی کا بھی۔ ۱۸۳۴ء میں سونے کے ڈالر کے سکے میں سونے کی مقدار گھٹا دی گئی اور یہ سکّہ چاندی سے ۱۶ گنا مہنگا کر دیا گیا۔ اب چونکہ چاندی کا ڈالر سستا ہو گیا تھا اس لیے امریکا سے چاندی باہر جانے لگی اور سونا واپس آنے لگا۔ امریکا میں سونے کی نئی کانیں بھی دریافت ہوئیں اور سونے کی فراوانی مزید بڑھ گئی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا جب چاندی کے سکّے بالکل ہی نایاب ہو گئے۔ اس مشکل کو دور کرنے کے لیے ۱۸۵۳ء میں چاندی کے ایسے سکّے جاری کیے گئے جن میں چاندی تو کم ہوتی تھی مگر ان پر قدر زیادہ لکھی ہوتی تھی تاکہ سکّہ اسمگل ہو کر ملک سے باہر نہ جا سکے۔ یوں تو سکوں کے نظام سے دنیا کا روزمرہ کا کاروبار نہایت کامیابی سے چل رہا تھا مگر اس میں یہ خرابی تھی کہ بہت زیادہ مقدار میں سکوں کی نقل وحمل مشکل ہو جاتی تھی۔ وزنی اور ضخیم ہونے کی وجہ سے بڑی رقوم چور ڈاکوؤں کی نظروں میں آ جاتی تھیں اور سرمایہ داروں کی مشکلات کا سبب بنتی تھیں‘ جبکہ سونا چاندی کی دستیابی بڑھنے کی وجہ سے بڑے بڑے بینکوں کے لیے سونا چاندی پر اجارہ داری برقرار رکھنا مشکل ہوتا جا رہا تھا اور کاغذی کرنسی کے رواج کو مستحکم کرنے

کی ان کی کوششیں کامیاب نہیں ہو پا رہی تھیں۔ اسی کوشش کے نتیجے میں امریکا کی سول وار کے دوران ۱۸۶۲ء میں حکومت نے ایسی کاغذی کرنسی جاری کی جس کی پشت پناہی کے لیے نہ سونا ہوتا تھا نہ چاندی۔ امریکا میں ۱۸۷۳ء میں سکوں سے متعلق قانون میں ترمیم کر کے چاندی کا لفظ ہٹا دیا گیا اور عملاً گولڈ اسٹینڈرڈ اپنا لیا گیا۔ اس قانون سے امریکا میں سرکاری سطح پر دو دھاتی نظام کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۸۷۹ء میں امریکا بظاہر دوبارہ دھاتی کرنسی پر واپس آ گیا لیکن اس دفعہ چاندی کو کرنسی نہیں قرار دیا گیا بلکہ صرف سونے کو کرنسی قرار دیا گیا۔ عوام کو کاغذی نوٹوں کے بدلے سونے کے سکے دیے جانے لگے جس سے عوام کا کاغذی کرنسی پر اعتبار بحال ہو گیا اور اکثریت نے کاغذی نوٹوں کو ہی استعمال کرنے کو ترجیح دی۔ عوام کا بڑی شدت سے اصرار رہا کہ چاندی کو بھی کرنسی بنایا جائے مگر ۱۹۰۰ء میں دوبارہ صرف سونے کو ہی قانوناً کرنسی قرار دیا گیا۔ امریکا میں سونے چاندی کے سکوں کے ساتھ ساتھ کاغذی نوٹ بھی بڑی بڑی مقدار میں گردش کرتے رہے۔ ان نوٹوں کی حیثیت سونے چاندی کی رسید یا نمائندہ رقم (representative money) جیسی تھی۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۱۳ء کو امریکا میں فیڈرل ریزرو بننے سے دنیا بھر کو قرض دینے کا حق انگلینڈ کے ہاتھ سے نکل کر امریکا کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اس ادارے کے پس پردہ روتھ شائلڈ (Roth Schild) خاندان کے پانچ ہزار ارب ڈالر کارفرما ہیں‘ جبکہ دنیا کے امیر ترین سمجھے جانے والے شخص ’’بل گیٹس‘‘ کی دولت صرف چالیس ارب ڈالر ہے۔ اپنے نام ’’فیڈرل ریزرو‘‘ کے برعکس یہ ادارہ نہ تو فیڈرل ہے اور نہ ہی ریزرو۔ امریکی صدر تھامس جیفرسن نے کہا تھا کہ میرے خیال میں بینکاری کے ادارے ہماری آزادی کے لیے زیادہ خطرناک ہیں بہ نسبت سر پہ کھڑی (دشمن کی) فوج کے۔ یوں تو فیڈرل ریزرو سسٹم اس لیے بنایا گیا تھا تاکہ چیک اور نوٹ کے بدلے عوام کو سونے چاندی کی ادائیگی کو یقینی بنایا جا سکے‘ لیکن جو کچھ ہوا وہ اس کے بالکل برعکس تھا۔

۱۹۳۰ء میں امریکی معیشت سخت کساد بازاری کا شکار تھی۔ فیڈرل ریزرو نے کرنسی کی فراہمی بڑھانے کی بجائے کم کر دی تھی۔ ڈالر کی گرتی ہوئی قیمت دیکھتے ہوئے بینکوں سے کاغذی کرنسی کے بدلے اپنا سونا چاندی واپس لینے کا رجحان آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا تھا۔

امریکی صدر روزویلٹ‘ جو ایک بینکار خاندان سے تعلق رکھتا تھا‘ نے ۴ مارچ ۱۹۳۳ء کو امریکا میں اپنی صدارت کا آغاز کیا اور دوسرے ہی دن سے ۹ دنوں کے لیے بینک کی تعطیلات کا اعلان کر دیا تاکہ لوگ فیڈرل ریزرو سے اپنا سونا نہ نکلوا سکیں۔ صدر روزویلٹ سونے کی قیمت بڑھانا چاہتا تھا لیکن اس طرح سارا منافع عوام کی جیب میں چلا جاتا اور حکومت کو کچھ نہ ملتا۔ اس لیے ۵ اپریل ۱۹۳۳ء کو‘ یعنی صرف ایک مہینے بعد روزویلٹ نے ایک صدارتی فرمان جاری کیا جس کے تحت امریکی شہریوں کو ۱۰۰ ڈالر سے زیادہ مالیت کا سونا رکھنے پر پابندی عائد ہوگئی اور وہ اپنا زائد سونا فیڈرل ریزرو کو ایک مہینے کے اندر اندر بحساب ۲۰٫۶۷ کاغذی ڈالر فی ٹرائے اونس بیچنے پر مجبور ہو گئے۔ خلاف ورزی کی سزا دس ہزار ڈالر جرمانہ اور دس سال قید تھی۔ اس زمانے کے دس ہزار ڈالر مئی ۲۰۱۱ء کے حساب سے سوا سات لاکھ ڈالر کے برابر تھے (بلحاظ سونے کی قیمت)۔ اس زمانے میں امریکا میں سونے کے سکے چلتے تھے جنہیں لوگوں سے لے کر فیڈرل ریزرو نے کاغذ کے نوٹ تھما دیے۔

۱۹۳۴ء میں ’’سلور پرچیز ایکٹ‘‘ بنا کر چاندی بھی بحساب پچاس سینٹ فی اونس ضبط کر لی گئی۔ ۱۹ جون ۱۹۳۴ء کے سلور پرچیز ایکٹ نے چین کی کمر توڑ دی کیونکہ وہ سلور سٹینڈرڈ پر تھا۔ سکوں کی قلت کی وجہ سے چین میں سخت کساد بازاری چھائی رہی جس کی وجہ سے نومبر ۱۹۳۵ء میں چین کو بھی سلور سٹینڈرڈ ترک کرنا پڑا۔ اب دنیا بھر میں کاغذی کرنسی کی راہ بالکل ہموار ہوگئی۔

دوسری جنگ عظیم تک دنیا بھر کے عوام میں کاغذی کرنسی کا رواج مستحکم ہو چکا تھا‘ لیکن مشکل یہ تھی کہ مرکزی بینک آپس میں کس طرح لین دین (بزنس) کریں۔ کوئی بھی مرکزی بینک کسی دوسرے مرکزی بینک کی چھاپی ہوئی کاغذی کرنسی قبول کرنے کو تیار نہیں تھا اور سونے کا مطالبہ کرتا تھا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے دوسری جنگ عظیم کے دوران میں جولائی ۱۹۴۴ء میں بریٹن ووڈز‘ نیوہیمپشائر‘ امریکا کے مقام پر ایک کانفرنس منعقد کی گئی۔ اس کانفرنس کے نتیجے میں بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (International Monitory Fund) اور ورلڈ بینک وجود میں آئے۔ اس کانفرنس میں ۴۴ اتحادی ممالک کے ۷۳۰ مندوبین نے شرکت کی تھی‘ جس میں روس بھی شامل تھا‘ مگر جاپان نے اس کانفرنس میں شمولیت کو درخور

اعتناء نہیں سمجھا‘ جس کے نتیجے میں ایک سال بعد ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ جاپان کے ان دو شہروں پر حملہ امریکی بندرگاہ پرل ہاربر پر حملے کی جوابی کارروائی کے نتیجے میں کیا گیا‘ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جاپان کا بریٹن ووڈز کانفرنس میں شرکت سے انکار کرنا بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کی عالمی سطح پر معاشی بالادستی اور قبضے کو تسلیم کرنے سے انکار تھا‘ جس کے نتیجے میں اسے زیروزبر کر دیا گیا۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکی حملے سے قبل جاپانی ہتھیار ڈال چکے تھے‘ لہٰذا حملے کا جواز باقی نہیں رہا تھا‘ لیکن عالمی یہودی بینکاروں کو مستقبل میں اپنے لیے کسی بھی قسم کے خطرات کو راستے سے ہٹانا تھا۔

بریٹن ووڈز سسٹم بنانے کا اصل مقصد دنیا بھر پر امریکی بینکاروں کی حکمرانی قائم کرنا تھا۔ جس سال بریٹن ووڈز کا معاہدہ طے پایا اسی سال معاہدے سے پہلے ماہر معاشیات Friedrich Hayek جسے ۱۹۷۴ء میں نوبل انعام سے بھی نوازا گیا‘ نے اپنی کتاب ’’غلام مملکت کا رستہ‘‘ (The Road to Serfdom) میں لکھا:

> ’’سارے لوگوں پر جو حاکمیت معاشی کنٹرول عطا کرتی ہے اس کی سب سے بہترین مثال فورین ایکسچینج کے شعبہ میں واضح ہے۔ یہ درحقیقت سارے لوگوں کو ریاست کی مطلق العنانی کے حوالے کر دینا ہے۔ یہ فرار ہونے کے سارے راستے بند کر دیتا ہے‘ نہ صرف امیروں کے بلکہ ہر کسی کے۔‘‘

اس کانفرنس کے انعقاد کے وقت دنیا بھر کے مرکزی بینکوں کے پاس موجود کل سونے کا ۷۵ فیصد امریکا کے پاس تھا۔ اس معاہدے میں بڑی چالاکی سے سونا چاندی کی بجائے ڈالر کو کرنسی کا معیار مقرر کیا گیا‘ یعنی سونے کی بجائے معیار سونا کی آڑ میں معیار ڈالر لایا گیا۔ اس معاہدے سے امریکی اور خصوصاً یہودی بینکاروں کی پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑھائی میں آ گیا۔ اس معاہدے کے ذریعے دنیا بھر کے ممالک نے نادانستہ طور پر اپنی اپنی کرنسی کے کنٹرول سے رضاکارانہ دستبرداری منظور کر لی تھی۔ پہلے جو کچھ فوجی طاقت کے بل پر چھینا جاتا تھا اب وہ سب کچھ شرح تبادلہ کا کھیل بن گیا‘ کیونکہ سونے کی رکاوٹ درمیان میں سے ہٹ چکی تھی۔ یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ اس وقت کسی نے نہیں دیکھا کہ ورلڈ بینک کی آڑ میں (سارے ملکوں کی) حاکمیت منتقل ہو رہی ہے۔ اس معاہدے نے غلامی کی ایک نئی قسم کی بنیاد رکھی جو پہلے ہارڈ کرنسی کے دور میں ممکن نہ تھی۔ اس نئی قسم کی غلامی میں انسان غلام نہیں ہوتے

بلکہ ان کی کرنسی غلام ہوتی ہے۔ اور جب کرنسی غلام ہوتی ہے تو پوری معیشت غلام بن جاتی ہے۔ قابل تخلیق کرنسی اپنے تخلیق کنندہ کی غلام ہوتی ہے‘ لیکن سونے چاندی کی کرنسی کبھی غلام نہیں بن سکتی‘ کیونکہ سونا چاندی کو تخلیق نہیں کیا جا سکتا۔ بریٹن ووڈز کے معاہدے نے پوری دنیا کو امریکی بینکاروں کا معاشی غلام بنا دیا۔ غالباً دوسری جنگ عظیم شروع کرنے کا اصل مقصد بھی یہی سب کچھ حاصل کرنا تھا۔

مغربی ممالک نے‘ جو اپنی نوآبادیاں کھو چکے تھے‘ بریٹن ووڈز کانفرنس میں ایسے ادارتی انتظامات کیے کہ نئے ابھرنے والے ممالک پر ان کی حاکمیت اور ان کا استحصال جاری رہے۔ تیسری دنیا کے ممالک نہ اُس مشاورت میں حصہ دار تھے نہ ہی نتائج سے کوئی فائدہ حاصل کر سکے۔ اس کی بجائے انہیں بہت کچھ کھو کر یہ حوصلہ شکن حقیقت پتہ چلی کہ یہ نظام تو اُن کے ہی خلاف بنایا گیا تھا اور یہ بات یقینی بنا دی گئی تھی کہ وہ ہمیشہ صنعتی ممالک کی طاقتوں کے زیر اثر رہیں۔ اگرچہ کچھ معمولی تبدیلیاں کی جا چکی ہیں مگر آج تک کلیدی اداروں مثلاً آئی ایم ایف میں ووٹ کی طاقت وہی ہے جو ۱۹۴۰ء اور ۱۹۵۰ء کی دہائی میں تھی۔ اس معاہدے کے بعد اب چونکہ نوآبادیاتی نظام کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی اس لیے دنیا کی ساری کالونیوں کو آزاد کر دیا گیا اور مزاحمتی لیڈروں کو اقتدار سونپ دیا گیا۔ برصغیر کی آزادی گاندھی کا کارنامہ نہیں تھی‘ بلکہ بریٹن ووڈز معاہدے کا خاموش نتیجہ تھی۔

روایتی نوآبادیاتی نظام کو ۱۹۴۰ء سے ۱۹۶۰ء کی دہائیوں میں توڑ دیا گیا۔ اس کے بعد دنیا کی مالیاتی طاقتوں (سینٹرل بینکرز) نے سیاسی کنٹرول کی بجائے مالیاتی کنٹرول اختیار کیا۔ اس معاہدے کی کامیابی کا میڈیا میں بڑے زور و شور سے چرچا کیا گیا‘ لیکن تصویر کا صحیح رُخ آج تک چھپایا جاتا ہے۔ جس بات کا چرچا نہیں کیا گیا وہ یہ تھی کہ ۳۵ ڈالر میں ایک اونس سونا خریدنے کا حق عوام کو نہیں دیا گیا تھا بلکہ یہ حق امریکا کی طرف سے صرف اور صرف دوسرے ممالک کے سینٹرل بینکوں کو دیا گیا تھا۔ گویا عوام کے لیے صرف کاغذی کرنسی اور امیروں کے لیے سونے کی کرنسی طے پائی۔ اُس وقت امریکی عوام کو سونا رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔

سلور سٹینڈرڈ قانون کی آڑ میں امریکا نے دنیا بھر کی چاندی کا بہت بڑا حصہ صرف کاغذ کے ٹکڑوں (سلور سرٹیفکیٹس) کے عوض ہتھیا لیا۔ اس طرح لگ بھگ ۴۴ ہزار ٹن چاندی امریکا

کو مفت مل گئی۔ ۲۴ جون ۱۹۶۸ء کو امریکا سلور سرٹیفکیٹس کے بدلے چاندی واپس دینے کے وعدے سے صاف مکر گیا۔ ۱۹۳۴ء سے ۱۹۶۵ء تک امریکا میں داخلی سطح پر سلور سٹینڈرڈ اور خارجی سطح پر گولڈ سٹینڈرڈ نافذ رہا۔ ۱۹۳۴ء سے ۱۹۷۳ء تک گولڈ سٹینڈرڈ کے نام پر جو سسٹم چلانے کی کوشش کی گئی وہ ہرگز گولڈ سٹینڈرڈ نہ تھا۔ امریکا میں ۱۹۳۰ء تک سونے کے سکّے زیرِ گردش رہے جبکہ چاندی کے سکے ۱۹۷۰ء تک گردش میں تھے۔ امریکا میں ۱۷۳ سال تک ڈالر سونے یا چاندی میں تبدیل کیا جا سکتا تھا‘ جبکہ ۱۹۷۰ء کے بعد سے ڈالر صرف ایک حساب کی اکائی (unit of account) بن کر رہ گیا اور یوں عوام کی دولت کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیا گیا۔ مشہور برطانوی ماہر معاشیات جان کینز نے کہا تھا کہ مسلسل نوٹ چھاپ کر حکومت نہایت خاموشی اور رازداری سے اپنے عوام کی دولت کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیتی ہے۔ یہ طریقہ اکثریت کو غریب بنا دیتا ہے مگر چند لوگ امیر ہو جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عوام کے لیے کرنسی تبادلے کا وسیلہ ہوتی ہے لیکن جاری کنندہ کے لیے کرنسی عوام کا خون چوسنے کا آلہ ہوتی ہے۔ کاغذی دولت پوری دنیا کو کنٹرول کرنے کا ایک بہترین اوزار ہے۔

۱۹۷۱ء میں ویت نام کی جنگ کی وجہ سے امریکی معیشت سخت دباؤ کا شکار تھی اور افراطِ زر تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ اپریل ۱۹۷۱ء میں جرمنی نے امریکی دباؤ میں آ کر پانچ ارب ڈالر خریدے تاکہ امریکی ڈالر کو سہارا مل سکے۔ اس وقت ۵ ارب ڈالر ۴۴۰۰ ٹن سونے کے مساوی تھے۔ اگر جرمنی نے ڈالر کی بجائے امریکا سے سونا طلب کیا ہوتا تو امریکی مالیاتی نظام کی کمر ٹوٹ جاتی۔ مزید امریکی دباؤ سے جان چھڑانے کے لیے صرف ایک مہینے بعد ۱۰ مئی ۱۹۷۱ء کو جرمنی نے بریٹن ووڈ معاہدے سے ناتا توڑ لیا‘ کیونکہ وہ گرتے ہوئے امریکی ڈالر کی وجہ سے اپنے جرمن مارک کی قیمت مزید نہیں گرانا چاہتا تھا۔ اس کے صرف تین ماہ بعد جرمنی کی معیشت میں بہتری آ گئی اور ڈالر کے مقابلے میں مارک کی قیمت ساڑھے سات فیصد بڑھ گئی۔ امریکی ڈالر کی گرتی ہوئی قیمت دیکھتے ہوئے دوسرے ممالک نے امریکا سے سونے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ سوئٹزرلینڈ نے جولائی ۱۹۷۱ء میں پانچ کروڑ ڈالر کا ۴۴ ٹن سونا امریکا سے وصول کیا۔ امریکا نے سفارتی دباؤ ڈال کر دوسرے ممالک کو سونا طلب کرنے سے روکنا چاہا مگر Jacques Rueff کے مشورے پر فرانس نے جارحانہ انداز اپناتے ہوئے ۱۹ کروڑ ڈالر

امریکا سے ۷۰ اٹن سونے میں تبدیل کروائے۔ اس طرح امریکا اور فرانس کے تعلقات خراب ہو گئے جو آج تک بہتر نہ ہو سکے۔ ۱۲/ اگست ۱۹۷۱ء کو برطانیہ نے بھی ۷۵ کروڑ ڈالر کے بدلے ۶۶۰ ٹن سونے کا مطالبہ کر دیا۔ اُس وقت امریکا کو روزانہ ۱۰۰ اٹن سونے کی ادائیگی کرنی پڑ رہی تھی۔ ۱۵/ اگست ۱۹۷۱ء کو امریکا اپنے بریٹن ووڈز کے وعدے سے یک طرفہ مکر گیا۔ امریکی صدر نکسن نے اعلان کیا کہ اب امریکا ڈالر کے بدلے سونا نہیں دے گا۔ اس وقت تک امریکا کاغذی ڈالر چھاپ چھاپ کر اس کے بدلے عربوں سے اتنا تیل خرید چکا تھا کہ عرب اگر ڈالر کے بدلے سونے کا مطالبہ کر دیتے تو امریکا اپنا پورا سونا دے کر بھی یہ قرض نہ چکا سکتا تھا۔ ۱۹۷۱ء کے اس امریکی اعلان سے عربوں کے اربوں ڈالر کاغذی ردّی میں تبدیل ہو گئے۔ ۱۹۷۱ء میں جب امریکا نے اپنے تیزی سے سکڑتے ہوئے سونے کے ذخیرے کو بچانے کے لیے خود ہی بریٹن ووڈز کا یہ سسٹم توڑا تو اسے چند دوسری بڑی کرنسیوں کو بھی اپنی حکمرانی میں شریک کرنا پڑا۔ اس طرح SDR وجود میں آیا جس نے کرنسی کے ذریعے ہونے والی عالمی لوٹ کھسوٹ میں بڑے کھلاڑیوں کا حصہ طے کر دیا۔

ایس ڈی آر یعنی Special Drawing Rights میں چار کرنسیاں شامل تھیں۔ امریکی ڈالر کا حصہ ۴۱٫۹ فیصد، یورو کا حصہ ۳۷٫۴ فیصد، پاؤنڈ اسٹرلنگ کا حصہ ۱۱٫۳ فیصد اور جاپانی ین کا حصہ ۹٫۴ فیصد تھا۔ آخری تینوں کرنسیاں بہت بڑی حد تک ڈالر کی دوست کرنسیاں ہیں۔ بین الاقوامی تجارت میں چین کا بہت بڑا حصہ ہے مگر پھر بھی چینی یوان کا ایس ڈی آر میں کوئی حصہ نہیں تھا۔ لیکن جب چین نے بھی بڑی مقدار میں سونا خریدنا شروع کر دیا تو ۳۰ نومبر ۲۰۱۵ء کو آئی ایم ایف نے یوان کو ایس ڈی آر میں شامل کرنے کا اعلان کر دیا جس پر عمل درآمد یکم اکتوبر ۲۰۱۶ء کو ہوا۔ یوان کا حصہ ۱۰٫۹۲ فیصد ہے، یعنی اسے پاؤنڈ اسٹرلنگ اور جاپانی ین سے بڑی کرنسی مانا گیا ہے۔ اکتوبر ۲۰۱۶ء کے بعد چین نے بھی حکومتی سطح پر سونا خریدنا بند کر دیا۔

۱۹۷۱ء میں ڈالر کا سونے سے ربط ٹوٹنے کے بعد ڈالر کی عالمی طلب تیزی سے گر رہی تھی۔ ڈالر کی عالمی مانگ بڑھانے کے لیے سعودی عرب کو ہدایت کی گئی تھی کہ تیل صرف ڈالر کے عوض فروخت ہو گا اور حکومتی اخراجات کے بعد بچنے والے ڈالر صرف امریکی بینکوں میں سرمایہ کاری کیے جائیں گے جسے Petro Dollar Recycling System کہتے ہیں تاکہ

سعودی عرب بھی سونا نہ خریدے۔ اگر سعودی عرب آمادہ نہ ہوتا تو سعودی عرب پر حملے اور قبضے کا منصوبہ تیار تھا۔ اگر قیمت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو دنیا میں ہر سال جتنا سونا نکلتا ہے اس کا دس گنا تیل نکلتا ہے۔ لیکن تیل اُسی سال استعمال ہو کر ختم ہو جاتا ہے جبکہ سونا ہزار سال بعد بھی زیر گردش رہتا ہے۔ اس طرح پیٹرو ڈالر کی مدد سے گولڈ سٹینڈرڈ کی جگہ عملی طور پر بلیک گولڈ سٹینڈرڈ یعنی کروڈ آئیل سٹینڈرڈ اپنایا گیا اور یوں آج تک ڈالر کے ذریعے شرح تبادلہ کو برقرار رکھا گیا ہے۔

کرنسی توپ یا بم کی طرح نہیں ہوتی مگر بعض حالات میں یہ انتہائی کار آمد ہتھیار ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ سستی ہونے کے باوجود نہایت مؤثر ہوتی ہے اور یہ دشمن کو اس حد تک کمزور یا معذور کر سکتی ہے کہ اپنی حفاظت کرنا تو درکنار، وہ اپنے معمول کے کام بھی انجام نہ دے سکے۔ عین صحیح وقت پر کرنسی کا حملہ کسی ملک کو تباہی کی طرف دھکیل سکتا ہے یا پہلے سے نرغے میں آئے دشمن کو مزید کمزور کر سکتا ہے۔ اگرچہ کرنسی کا کوئی بھی حملہ انتشار پیدا کر سکتا ہے لیکن یہ کسی کمزور اور ترقی پذیر معیشت والے ملک کی بقا کا مسئلہ بھی بن سکتا ہے۔ ہارڈ کرنسی کے زمانے میں جنگیں ملک اور حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے لڑی جاتی تھیں، جبکہ کاغذی کرنسی کے دور میں جنگیں سینٹرل بینک پر قبضہ کرنے کے لیے لڑی جاتی ہیں۔ بریٹن ووڈز کے معاہدے کے بعد دنیا بھر سے نوآبادیاتی نظام کا یک لخت خاتمہ اسی وجہ سے ہوا کہ کاغذی کرنسی کے نظام سے ہزاروں میل دور سے غلاموں کا خون چوسنا ممکن ہو گیا ہے، کیونکہ آج کی دنیا پر حکمرانی کے لیے فوج کی نہیں بلکہ کریڈٹ کی ضرورت پڑتی ہے۔ [بہرحال پاکستان اور اسرائیل کا بالترتیب ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں قیام اس اصول سے دو استثناء تھے۔] جو پوری دنیا کو قرضے دے سکتا ہے وہ پوری دنیا پر حکمرانی کر سکتا ہے۔

ایک مصنف J. S. Moore نے لکھا ہے کہ ’’عظیم قوموں کے پاس اپنا خزانہ بھرنے کے دو ہی طریقے ہوتے ہیں: پہلا یہ کہ قرضے دو، اور دوسرا زیادہ آسان طریقہ یہ ہے کہ کاغذی کرنسی میں زبردستی قرضے دو‘‘۔ جدید بینکاری کا نظام اسی اصول کے تحت وجود میں آیا ہے جو بغیر کسی خرچ کے رقم بناتا ہے اور قدرتی وسائل سے مالا مال ممالک پر جنگیں مسلط کر کے اُنہیں تاخت و تاراج کرنے کے بعد قرضے دے دے کر اپنا غلام بنا لیا جاتا ہے۔ یہ غالباً آج تک

بنائی گئی سب سے بڑی شعبدہ بازی ہے۔قرض مستقبل کی آمدنی آج ہی خرچ کرنے کا نام ہے۔اس طرح مستقبل میں خرچ کرنے کی قابلیت کم ہو جاتی ہے اور سود کی ادائیگی مقروض کو زندہ کھا جاتی ہے‘ جیسے عالمی مالیاتی نظام آج پاکستان کی معیشت کو کھائے جا رہا ہے۔’’بڑے بینک اور اُن کی بنائی ہوئی مالیاتی انڈسٹری آج کے معاشرے میں ناانصافی کی بنیادی وجہ ہے۔ چاہے یہ معاشرتی مساوات ہو یا آپ کی ملازمت اور ریٹائرمنٹ کے تحفظ کا مسئلہ ہو‘ آپ کی روزمرہ کی زندگی ہو یا آپ پر لاگو قوانین کی دیانت داری ہو‘‘۔ہماری قسمت اب ان بینک کاروں کے کنٹرول میں ہے۔گزشتہ تین سو سال میں ہر سامراجی طاقت (Imperial Power) درحقیقت ایک طاقتور کاغذی کرنسی سے مسلح تھی جبکہ ان کا شکار بننے والے ممالک اس مہلک ہتھیار سے محروم تھے۔امریکی سیکریٹری آف اسٹیٹ ہنری کیسنگر کا کہنا تھا کہ’’جو خوراک کو کنٹرول کرتا ہے وہ لوگوں کو کنٹرول کرتا ہے‘ جو توانائی کو کنٹرول کرتا ہے وہ سارے براعظموں کو کنٹرول کرتا ہے اور جو کرنسی کو کنٹرول کرتا ہے وہ پوری دنیا کو کنٹرول کرتا ہے‘‘۔اگر آپ دوسروں کی دولت کنٹرول کرسکتے ہیں تو جلد ہی آپ اس دولت کے مالک بھی بن سکتے ہیں۔

مآخذ ومراجع

1- *The Rise and Fall of American Growth: The U.S. Standard of Living Since ..., Book by Robert J. Gordon*
2- *The Wealth of Nations, Book by Adam Smith*
3- *Principles of Economics, Textbook by Alfred Marshall*
4- *The Undercover Economist, Book by Tim Harford*
5- *The Undercover Economist, Book by Tim Harford*
6- *The General Theory of Employment, Interest and Money, Book by John Maynard Keynes*
7- *Why Nations Fail, Book by Daron Acemoglu and James A. Robinson*
8- *Capital: Critique of Political Economy, Book by Karl Marx*
9- *Indian Currency And Finance, John Maynard Keynes*
10- *A Tract on Monetary Reform, John Mynard Keynes*
11- *The Road to Serfdom, Friedrich Hayek*

۱۲۔ یہودی پروٹوکولز‘ ترجمہ: محمد یحییٰ خان

13. *https://dailyreckoning.com/fiat-currency*
14. *https://www.zerohedge.com/contributed/2013-06-27/great-come*

x-paper-gold-dump-online-real-time-physical-gold-price-datasource
15. *http://articles.businessinsider.com/2012-03-12/markets/31146614_1_debt-fractional-reserve-fiat*
16. *https://foolscrow.wordpress.com/2011/07/21/beware-the-risen people-part-1-of-3-global-banking-%E2%80%93 -a-criminal-syndicate-of-tyrants-and-thieves/*
17. *http://www.themoneymasters.com/monetary-reform-act/the -five-%E2%80%9Cbank-wars%E2%80%9D/*
18. *http://ohiorepublic.blogspot.com/2008/11/paper-money-is-fraud.html*
19. *http://www.ecclesia.org/truth/reserve.html*
20. *http://superstore.wnd.com/department/magazines/typemagazine/Whistleblower*
21. *https://able2know.org/topic/82469-1*
22. *http://www.gutenberg.org/ebooks/15776*
23. *https://ancientbankingsecret.com/blog/*
24. *http://www.unitedearth.com.au/banking.html*
25. *http://www.relfe.com/A06/wealth.html*
26. *http://jpkoning.blogspot.com/2012/12/corporations-are-currency-issuers.html*
27. *https://books.google.com.pk/books?id=BVDVgklbzqgC&pg =PA88&lpg=PA88&dq=#v=onepage&q&f=false*
28. *https://archive.org/stream/jstor-25110026/25110026_djvu.txt*
29. *https://monetary-metals.com/the-unadulterated-gold-standard-3/*
30. *https://en.wikipedia.org/wiki/Coinage_Act_of_1873*
31. *http://money_week.com/triffins-dilemma-and-the-future-of-sdrs/*
32. *https://books.google.com.pk/books?id=2oV-t_AJ5d0C&pg=PA 300&lpg#v=onepage&q&f=false*
33. *https://www.quora.com/What-were-the-compelling-reasons -for-the-British-to-free-India-and-other-colonies-after- the-Second-World-War*
34. *http://paperpoverty.blogspot.com/*
35. *http://financicles.com/regions/north-america/the- federal-reserve-neither-truly-federal-nor-a-full-reserve/*
36. *https://foolscrow.wordpress.com/2011/07 /21/beware-the-risen-people-part-1-of-3-global-banking-%E 2%80%93-a-criminal-syndicate-of-tyrants-and-thieves/*
37. *https://www.globalresearch.ca/why-america-needs-war/5328631*

❁❁❁

امریکیوں کے عزائم کو ناکام بنایا ہے بلکہ امریکیوں کے اس ایجنڈے کو کم از کم فی الحال روک دیا ہے' جس کا ذکر مرحوم حمید گل نے ان الفاظ میں کیا تھا: ''نائن الیون بہانہ' افغانستان ٹھکانہ اور پاکستان نشانہ''۔ مسلمانانِ پاکستان کو یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ایٹمی پاکستان کو یہودی کبھی قبول نہیں کریں گے۔ افغانستان میں امریکی قبضے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ پاکستان کی بغل میں بیٹھ کر پاکستان کے ایٹمی اثاثہ جات کو تباہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ تحریک طالبان پاکستان (TTP) کے ذریعے پاکستان میں دہشت گردی کروانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ پاکستان میں شام جیسی صورت حال پیدا کر کے پاکستان کے ایٹمی اثاثہ جات پر ہاتھ صاف کیا جائے۔

آخر میں دو باتیں ہم دوٹوک انداز میں واضح کر دینا چاہتے ہیں۔ پہلی یہ کہ قرآن اور سنت سے جہاد کی جو اہمیت اور حیثیت ہمارے سامنے آتی ہے اس سے ہر مسلمان کا یہ فرض بنتا ہے کہ جہاد کی حیثیت کو کم تر کرنے کی ہر کوشش کا مردانہ وار مقابلہ کرے۔ اور دوسری یہ کہ طاغوتی قوتوں نے اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو افغانستان پر حملہ کر کے ایک اسلامی حکومت کا خاتمہ کیا تھا اور اسلام دشمن ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لیے ایک کٹھ پتلی حکومت قائم ہوئی ہے' اس کے خلاف اور اسلامی حکومت کی بحالی کے لیے افغان طالبان کا جہاد یقیناً جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس حوالہ سے کنفیوژن پیدا کرنے کی تمام کوششوں کو ناکام بنانا ایک سچے مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔ مزید برآں عالم اسلام خصوصاً مسلمانانِ پاکستان کو سوچنا چاہیے کہ اگر افغان طالبان بے سروسامانی کی حالت میں اور جدید ٹیکنالوجی اور اسلحہ نہ ہونے کے باوجود امریکی کندھوں پر سوار یہودیوں کے گلوبل تسلط حاصل کرنے کے ایجنڈے کے راستے میں اپنی بساط کے مطابق حائل ہو سکتے ہیں تو مسلمانانِ پاکستان یہ فریضہ بہتر انداز میں کیوں ادا نہیں کر سکتے؟

حقیقت یہ ہے کہ افغان طالبان جس طرح سپریم پاور آف دی ارتھ کے خلاف ہر میدان میں ڈٹے ہوئے ہیں اور جس طرح میدانِ جنگ میں اِس عالمی قوت کے دانت کھٹے کیے ہیں اُن پر علامہ اقبال کا یہ مصرعہ خوب منطبق ہوتا ہے ؏

تُو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری!

آیئے ہم اللہ پر بھروسہ کر کے امریکی کندھوں پر سوار یہود کے عالمی غلبہ اور تسلّط کے ایجنڈے کے خلاف میدانِ عمل میں نکلیں' تاکہ اُن کے تمام پروٹوکولز ناکام ہو جائیں۔ ان شاء اللہ!

❀❀❀

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۱ لَىِٕنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ﴾ (الحشر:۱۲)

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے نفاق اختیار کیا کہ اپنے ان بھائیوں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے اہل کتاب میں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں نکال دیا گیا تو ہم بھی ضرور نکل جائیں گے تمہارے ساتھ اور تمہارے (مفادات کے خلاف بات کے) بارے میں ہم کسی کی بھی نہیں مانیں گے۔ اور اگر تمہارے ساتھ (مسلمانوں نے) لڑائی کی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔ اگر ان (اہل کتاب) کو نکالا گیا تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان (بنونضیر) کے ساتھ مسلمانوں کی لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے۔''

یہ تھے وہ وعدے جو منافقین نے بنونضیر کے ساتھ کیے تھے۔ آخر کار بنونضیر اپنی جائیدادوں سے بے دخل کر کے ملک بدر کیے گئے' لیکن منافقین نے اپنے وعدہ کی تکمیل نہ کر کے قرآن کی پیشین گوئی کو سچا ثابت کر دیا۔ حالانکہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اس سے بہتر موقع ان کو نہیں مل سکتا تھا' لیکن یہ موقع انہوں نے ضائع کر دیا۔ اور یہ قرآن کے مِن جانب اللہ ہونے کا واضح ترین ثبوت ہے۔ واللہ اعلم!

❀❀❀

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر ''بیان القرآن'' کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں' آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

July 2018
Vol.67

Regd. CPL No.115
No.7

Monthly **Meesaq** Lahore

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ) کے زیر اہتمام

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

مدرسہ کُلّیۃ القرآن لاہور

191۔اتاترک بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور

"تم میں سے بہترین وہ ہیں جو خود قرآن سیکھتے ہیں اور دوسروں کو قرآن سیکھاتے ہیں۔" (حدیث نبوی ﷺ)

میٹرک پاس طلبہ کے لیے درس نظامی (آٹھ سالہ کورس) کے پہلے سال میں

داخلے شروع

خصوصیات

☆ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایف اے، بی اے اور ایم اے کی کلاسز
☆ ذہین اور مستحق طلبہ کے لیے وظائف
☆ وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ / پنجاب یونیورسٹی کا نصاب
☆ تقریر اور تحریر کی مہارت کے لیے نامور اساتذہ کی راہنمائی

نوٹ:
میٹرک کے نتائج کا انتظار کرنے والے طلبہ بھی داخلہ لے سکتے ہیں۔

شیڈول برائے داخلہ

☆ داخلہ فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ 6 جولائی 2018ء
☆ انٹرویو اور تحریری ٹیسٹ 6 جولائی 2018ء
☆ کلاس کا آغاز 7 جولائی 2018ء

اہلیت برائے داخلہ

☆ میٹرک پاس طلبہ داخلہ فارم جمع کرواسکتے ہیں۔
☆ عمر 16 تا 18 سال (حفاظ کے لیے عمر میں دو سال کی رعایت)
☆ صرف پاکستان کے شہری

برائے معلومات

دفتری اوقات کے دوران 042-35833637
دفتری اوقات کے بعد 0301-4882395

المعلن

حافظ عاطف وحید (مہتمم)